اسماعیلی طریقه

اضافی مواد و نظرثانی شده

کمال الدین علی محمد
و
ذوالفقار علی جیسانی

اسماعیلی طریقہ

اضافی مواد و نظرثانی شدہ

کمال الدین علی محمد

و

ذوالفقار علی جیسانی

اسماعیلی طریقہ

اضافی مواد و نظرِ ثانی شدہ

کمال الدین علی محمد

و

ذوالفقار علی جیسانی

www.kamalzar.com

بار اوّل 2004ء

بار چہارم 2009ء

Printer
Z.A. Printer
Karachi, Pakistan
Cell: 0300-8236659
zaenterprisepk@gmail.com

فہرستِ مضامین

پیش لفظ

سب سے پہلے حمد و ثنا اس باری سبحانہ و تعالیٰ کی جس نے اس کائنات کی تخلیق کی اور ہر لحہ اس کی وسعتوں کو پھیلاتا جا رہا ہے۔ جس نے ہم انسانوں کو عقل کی بخشش سے نواز کر اپنی ذات کی شناخت کا امکان عطا کیا اور منبعِ علم و نور کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی۔ جس نے آفاق و انفس میں اپنی نشانیاں رکھیں تاکہ ہم ایک لحہ بھی اس کی یاد سے غافل نہ رہیں۔

دُرود و سلام اس کے انبیاء و مرسلین پر جنہوں نے علم و نور کی شمع کو ہمیشہ روشن رکھا اور ہر دور میں بنی نوعِ انسان کی ہدایت کی۔ نیز صلوات خاتم الانبیاء سرورِ کونین محمد مصطفیٰ صلعم پر جسے سارے جہان کیلئے رحمت بنا کر بھیجا گیا اور جس نے کتاب و عترت کی صورت میں ہماری رہنمائی کے لئے ثقلین سے ہمیں وابستہ کیا۔

صلوات تمام ائمہ علیہم السّلام پر جو روئے زمین پر حبل اللہ المتین کی صورت میں اللہ کی حجت کی حیثیت سے موجود ہیں۔ نیز صلوات ہمارے حاضر اور موجود امام مولانا شاہ کریم الحسینی پر جن کی ہدایات ہماری دینوی اور روحانی زندگی کی راہیں منور کر رہی ہیں اور جن کی مریدی میں ہم دینِ اسلام کی صحیح فہم کے مطابق اللہ کے اس پیارے دین پر عمل پیرا ہیں۔

قارئین کو شاید اس بات کا علم ہو یا نہ ہو کہ ''اسماعیلی طریقہ'' آج سے کئی سال پہلے شائع کی گئی تھی۔ سچ کہیں تو شاید اسے کوئی باقاعدہ اور سنجیدہ کتاب بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اسے کسی منصوبہ بندی کے تحت کتابی صورت

میں نہیں لکھا گیا تھا۔ درحقیقت اس وقت ہماری جماعت کو اپنے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے گردو پیش سے جن سوالات کا سامنا تھا ان کے جوابات کی صورت میں کچھ مواد تحریر کیا گیا تھا۔ اس مواد کی افادیت اور جماعت کی فوری ضرورت کے پیشِ نظر ان تحریروں کو ایک کتابی صورت دے دی گئی تھی۔ اگرچہ وہ کوشش بہت زیادہ سنجیدہ نہیں تھی مگر وہ مواد اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک جس طرح جماعت کے لئے مفید ثابت ہوا اس سے ہمیں بہت زیادہ خوشی اور اطمینان ہے۔

کتاب کی اشاعت کے کچھ عرصے کے بعد ہی ہمیں اس بات کا احساس ہوا کہ اسے update کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے ہم مناسب وقت اور فرصت کی تلاش میں رہے مگر دیگر تصنیفات میں مصروف رہنے کے باعث ہم اس جانب توجہ نہ دے سکے۔

دریں اثنا کئی علم دوست خواتین و حضرات اور خاص طور پر طریقہ بورڈ برائے پاکستان کے ہمارے ہمکار اسکالرز اور واعظین اس کتاب کو مزید مفید بنانے کے لئے اپنے قیمتی مشوروں سے ہمیں نوازتے رہے۔ ہم اپنے تمام ہمکاروں کے دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہیں۔

اس سلسلے میں کچھ عرصہ قبل ہم نے برسبیل تذکرہ اپنے دوست جناب الواعظ ذوالفقار علی جیسانی سے، جو ایک اہم کتاب ''کاوش'' کے مصنّف ہیں، اپنی کتاب ''اسماعیلی طریقہ'' کو از سرِ نو تحریر کرنے کا تذکرہ کیا اور ان سے پوچھا کہ آیا وہ اس کام میں ہماری کچھ مدد کریں گے۔ ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے نہ صرف اس کتاب کو update کرنے میں ہماری مدد

کرنے کی حامی بھری بلکہ اس نئی کتاب کے شریک مصنّف (co-author) بننے میں بھی اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ الواعظ ذوالفقار علی جیسانی کی علمی قابلیت کے ہم دل سے معترف ہیں جس کا اظہار ہم نے ان کی کتاب ''کاوش'' کے دیباچہ میں بھی کیا ہے۔ ہم اپنے لئے باعثِ عزت اور فخر سمجھتے ہیں کہ وہ اس کتاب کے شریک مصنّف (co-author) ہیں۔ جناب ذوالفقار جیسانی نے کئی نہایت ہی مفید ابواب کا اضافہ کر کے اور مجموعی طور پر کتاب کے خدّ و خال کی از سَرِ نو تشکیل میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔

اس کتاب پر نظر ثانی کرتے ہوئے ہم نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ اسے اس طرح تحریر کیا جائے کہ یہ نہ صرف اندرونِ جماعت مفید ہو بلکہ دیگر مسلم برادریوں میں بھی، جہاں ہمارے طریقے سے متعلق بنیادی معلومات کی مخلصانہ چاہت پائی جاتی ہے، یہ کتاب مددگار ثابت ہو سکے۔

اس کتاب میں ہم نے شیعہ امامی اسماعیلی مسلمانوں کے آئین کے دیباچے کی روشنی میں بنیادی عقائد اور امامؑ اور مرید کے درمیان تعلقات کی نوعیت کا جائزہ لیا ہے۔ نیز اسماعیلی جماعت کے تاریخی پس منظر کے ساتھ ساتھ جماعت خانوں کا کردار، امامؑ اور قرآن کے درمیان باہمی رشتہ، دین اور شریعت میں فرق، دینِ اسلام کی فعالیت (dynamism) اور اس میں زمان و مکان کے ساتھ چلنے کی گنجائش، دین میں برداشت اور رواداری کا تصور جیسے اہم امور کو شامل کیا ہے۔ تاہم اس دُنیا میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی بھی چیز کامل نہیں۔ ہمیں اہلِ علم حلقوں کی جانب سے قیمتی مشوروں اور تجاویز کا ہمیشہ انتظار رہے گا۔

اس کتاب کو کمپوز کرنے کے اہم کام کو جناب میرباز خان ہنزائی نے جس حسن و خوبی سے انجام دیا ہے اس کیلئے ہم دل کی گہرائیوں سے ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ یہ کام کتنا صبر آزما تھا وہ ہم ہی جانتے ہیں۔

طریقہ بورڈ کی لائبریری سے استفادہ کرنے میں جناب عبدالنبی ہالاری، اکبر جمعہ خان اور علی بھائی عبدالرّحیم جس خندہ پیشانی سے ہماری مدد کرتے ہیں اور اپنے فرائضِ منصبی سے بڑھ کر ہم سے تعاون کرتے ہیں اُس سے کام کا بوجھ کافی ہلکا ہو جاتا ہے اور کام کو جاری رکھنے کا حوصلہ بنا رہتا ہے۔

جب تشکّر کی بات آتی ہے تو دُنیا بھر کے ان ہزاروں اور لاکھوں مومنین و مومنات کے چہرے ہمارے سامنے آجاتے ہیں جو محض اس لئے ہم سے محبت کرتے ہیں اور ہمیشہ اپنی دُعاؤں میں شامل کرتے ہیں کہ ہم امامِ زمانؑ کے ادنیٰ خادم اور غلام ہیں۔ اس غلامی سے بڑھ کر نہ کوئی عزت ہے اور نہ کوئی اعزاز۔ ہمارے دینی بھائیوں اور بہنوں کی دُعائیں، نیک خواہشات اور حوصلہ افزائی وہ محرک قوتیں ہیں جو ہمیں چلا رہی ہیں۔ ہم ہر جگہ اور ہر موقع پر اس کا اعتراف کرتے ہین اور برملا اظہار کرتے ہیں۔ ہم مولا کے شکر گزار ہیں جس نے ہمیں ایسی دولت سے نوازا ہے جس کے ہوتے ہوئے کسی اور دولت کی حاجت نہیں رہتی۔ ہم مالکِ جسم و جان کے در پر دست بدعا ہیں کہ ہمیں تادمِ حیات اپنے در کا غلام اور جماعت کے پیروں کی خاک بنا کر رکھے۔

کمال الدّین علی محمد

زرینہ کمال الدّین

اظہارِ تشکّر

الحمد للہ ''کاوش'' کی اشاعت کے ساتھ ہی صاحبِ تصنیف بننے کا ہمارا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔ ہم اس پر کافی مسرور تھے اور کسی نئے موضوع پر قلم اُٹھانے کا سوچ ہی رہے تھے کہ میرے محسن محترم استاد کمال الدّین علی محمد صاحب نے اپنی کتاب ''اسماعیلی طریقہ'' کی ترتیبِ نو اور نظر ثانی کے سلسلے میں ہمیں بطورِ معاون مصنف (co-author) کام کرنے کی پیشکش کی جسے ہم نے شکریہ کے ساتھ فوراً قبول کر لیا۔

کمال سر اور زرینہ آپا ان اساتذہ میں سے ہیں جو تعلیم و تربیت کو کلاس روم تک محدود نہیں رکھتے بلکہ اپنے اسٹوڈنٹس کی عملی زندگی میں بھی رہنمائی کرتے ہیں۔ مجھ ناچیز کو ہمیشہ ان کی خصوصی شفقت و سرپرستی حاصل رہی ہے۔ میرے لئے یہ بات باعثِ فخر ہے کہ مجھے ان کے ساتھ کام کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ خداوند کریم مجھے یہ توفیق دے کہ ان کے اسٹوڈنٹ ہونے کا حق ادا کر سکوں۔

مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ کے دوران اسلام کے آفاقی پیغام کی ثقافتی، معاشرتی، سیاسی و مذہبی حوالوں سے مختلف تشریحات کی گئیں جن کی بنیاد پر بہت سے مکاتبِ فکر وجود میں آئے جو ایک طرف اسلام کی فکری وسعت و زرخیزی کا اظہار ہیں تو دوسری طرف مسلمانوں میں موجود خوبصورت گونا گونی (diversity) کی عکاسی کرتے ہیں۔ اسماعیلی طریقہ ان میں سے ایک ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں اسماعیلی طریقے کا مختصر مگر جامع اور مستند تعارف پیش کرنے کی

کوشش کی گئی ہے۔

اس موقع پر میں اپنے تمام دوستوں کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جن کی حوصلہ افزائی و معاونت مجھے حاصل رہتی ہے۔ خصوصاً ہمشیرہ الماس آپا جنہوں نے حیات کی سختیوں کو میرے لئے آسان کر دیا اور کائنات جاوید جیسانی جو میری علمی سرگرمیوں میں خصوصی دلچسپی رکھتی ہے اور جس میں ایک اسکالر بننے کے تمام تر جراثیم پائے جاتے ہیں۔

خیر اندیش

الواعظ ذوالفقار علی جیسانی

باب اوّل :

اسماعیلی طریقہ - تاریخی پس منظر

دینِ اسلام ان ادیان میں سے ہے جن کی جڑیں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی الہامی روایات میں ہیں اور یہ اس سلسلے کی آخری کڑی ہے۔ ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر وحی الٰہی کی صورت میں اسلام کا پیغام نازل ہونا شروع ہوا اور بہت جلد یہ پیغام جزیرہ نما عرب سے نکل کر دور دراز کے علاقوں تک پھیل گیا۔

مکہ مکرمہ میں مصائب و مشکلات کے ابتدائی سالوں کے بعد آنحضرتؐ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی جہاں اسلام کی ترویج و اشاعت کے لئے سازگار ماحول تھا اور اسلام جلد ہی ایک ایسی سیاسی و مذہبی تحریک بن کر اُبھرا جس کا اثر عرب کی محدود جغرافیائی حدود سے نکل کر دیگر علاقوں تک جا پہنچا اور لوگ جوق در جوق اس پیغام کو قبول کرنے لگے۔ اسلام کی سادہ تعلیمات، معاشرے کے پسماندہ اور مظلوم طبقے اور غلاموں وغیرہ کے لئے پُرکشش اور منصفانہ معاشی نظام، اور عرب کا قبائلی طرزِ حیات وہ چند عناصر تھے جن کی بدولت اسلام کو بے نظیر عوامی مقبولیت حاصل ہوئی۔

بنی نوعِ انسان کیلئے اللہ کا آخری پیغام قرآنِ پاک، جس کی بنیاد اس بات کی شہادت پر ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے آخری رسول ہیں، بار بار عقل و دانائی رکھنے والوں کو دعوتِ غور و فکر دیتا ہے کہ فطرت کے قوانین، کائنات کے اسرار و رموز، انسانوں میں موجود رنگ و نسل کی گونا گونی (diversity) اور خود اپنی ذات میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں تلاش کریں جو اس

خالق اور معبود کی طرف اشارہ کرتی ہیں جو ربّ العالمین یعنی تمام مخلوقات کا پالن ہار ہے۔

منصبِ نبوت سے سرفراز ہوکر آنحضرتؐ پوری جانفشانی سے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے مشن کو پورا کرنے کیلئے کوشاں رہے اور مسلمانوں کی دُنیاوی و دینی بہتری کے لئے رُشد و ہدایت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ آپ ایک ایسی متحرک (dynamic) اور جوڑنے والی قوت بن گئے جس نے مختلف معاشرتی و قبائلی رجحانات رکھنے والے لوگوں کو بڑی حد تک یکجا و متحد رکھا۔ مدینہ میں مسلمانوں کی اپنی ریاست قائم ہوئی جس کی حاکمیت و سیاسی امور کی باگ ڈور بھی آپ کے ہاتھوں میں رہی۔

تقریباً 23 سال تک کارِ نبوت سرانجام دینے کے بعد بالآخر 63 سال کی عمر میں آپؐ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد نوزائیدہ اُمّتِ مسلمہ کو آپؐ کی جانشینی سے متعلق درج ذیل اہم مسائل درپیش تھے :

- آپؐ کا جانشین کون ہوگا؟
- جانشین کا تعین کن خصوصیات کو مدِّنظر رکھ کر کیا جائے؟
- آپؐ کے جانشین کے اختیارات کی نوعیت اور دائرۂ کار کیا ہوگا؟

صحابۂ کرام کے درمیان ان مسائل کے بارے میں اتفاقِ رائے نہ تھا بلکہ مختلف آراء موجود تھیں جن کی بنیاد پر بہت سے مکاتبِ فکر وجود میں آئے۔ جانشینِ رسول کے اہم مسئلے پر واضح طور پر سوچ کے دو زاویے اُبھر کر سامنے آئے جو رفتہ رفتہ وقت گزرنے کے ساتھ مذہبی عقیدے (doctrine) کی صورت اختیار کر گئے اور اسلام کی سُنّی اور شیعہ تشریحات کے طور پر اپنی شناخت کو مستحکم کیا۔ یہاں ان کا ایک سرسری جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

جانشینِ رسولؐ - سُنّی نظریہ:

اصحابِ نبیؐ میں ایک نقطۂ نظر یہ تھا کہ حضورؐ نے واضح طور پر کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا۔ کلامِ الٰہی اُمّت کی رہنمائی کے لئے موجود ہے۔ نیز قرآنِ مجید نے حضرت محمدؐ کو خاتم النّبیّین قرار دیا ہے لہٰذا اب روحانی قیادت و رہنمائی کے لئے کسی اور منصب کی ضرورت نہیں۔ ان کے نزدیک زیادہ اہم مدینہ میں قائم ہونے والی اور روز بروز پھیلتی ہوئی مسلم سلطنت کا انتظام و انصرام (governance & administration) تھا۔ ان سیاسی و انتظامی ذمّہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کیلئے صحابۂ کرام میں سے کسی ایک کو چن لینا چاہیے۔ اس طرح نظریاتی طور پر (theoretically) خلیفۃ الرّسول لوگوں کا منتخب کیا ہوا ہو البتہ اس کی اہلیت کیلئے بنیادی شرط یہ رکھی گئی کہ اس کا تعلق قبیلۂ قریش سے ہو۔ قبیلۂ قریش کو رسول اللہؐ کی نیابت کا زیادہ مستحق قرار دینا اس وجہ سے تھا کہ نبی پاکؐ اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے لہٰذا قرابت داری میں قریش کو دوسرے عرب قبائل پر برتری و فضیلت حاصل تھی۔ خلیفہ کا کام بطورِ قرآن و سُنّت کے محافظ کے تھا جو ایسا سازگار ماحول فراہم کرے۔ جہاں اسلام کے بنیادی اصولوں کے مطابق عمل کیا جا سکے اور اس پیغام کی تبلیغ کو ممکن بنایا جا سکے۔

یہ نقطۂ نظر آگے چل کر تاریخ میں جماعت اہلِ سُنّت کے نام سے معروف ہوا۔ اسماعیلیوں کے اڑتالیسویں امام حضرت امام سلطان محمد شاہؒ اپنی خود نوشت سوانح حیات میں عام فہم انداز میں شیعہ اور سُنّی مکتبۂ فکر کی نظریاتی بنیادوں کا ذکر اس طرح کرتے ہیں :

"Mohammed had been...both a temporal and a spiritual sovereign. The Khalif or successor of the Prophet was to succeed him in both these capacities; he was to be both

Emir-al-Momenin or 'commander of the true believers' and Imam-al-Muslimin or 'spiritual chief of the devout'...the Sunnis have always held that this authority is merely temporal and secular, and is exerted only in the political sphere; they believe therefore that it appertains to any lawfully constituted political head of a state, to a governor or to the president of a republic."

(Islam the religion of my ancestors, Aga Khan III, page: 14-15)

ترجمہ : ''حضرت محمد صلعم دنیوی اور روحانی دونوں حیثیتوں سے حاکمِ اعلیٰ تھے۔ ان کے خلیفہ یا جانشین کیلئے ضروری تھا کہ وہ دونوں حیثیتوں سے اُن کا جانشین ہو۔ اس کو امیرالمومنین بھی ہونا تھا یعنی مومنین کا قائد اور امام المسلمین بھی ہونا تھا یعنی معتقدین کا روحانی پیشوا.... سُنّیوں کا ہمیشہ سے یہ عقیدہ رہا ہے کہ یہ حاکمیت صرف دُنیوی اور سیکولر ہے اور اس کا نفاذ صرف سیاسی دائرے میں ہوتا ہے۔ اسی لئے ان کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ یہ حکومت و حاکمیت ریاست کے کسی بھی ایسے سیاسی سربراہ سے متعلّق ہوسکتی ہے جو قانوناً مقرر کیا گیا ہو جو مثلاً کہیں کا گورنر یا کسی جمہوریت کا صدر ہو۔''

(اسلام میرے موروثوں کا مذہب صفحہ 19,20)

انہی بنیادوں پر حضرت ابو بکرؓ پہلے خلیفہ کے طور پر منتخب ہوئے۔ اس موقع پر آپ نے جو خطبہ دیا اس کا مطالعہ اس سلسلے میں ہماری سمجھ کو مزید واضح کرے گا۔

''یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلعم کو تمام اہلِ عالم کے لئے انتخاب کیا تھا، اسی لئے اس نے ان کو آفات سے محفوظ رکھا، میں صرف پیرو

ہوں ہادی نہیں۔ اگر میں راہِ راست پر گامزن رہوں تو تم میری اتباع کرنا، بھٹک جاؤں تو مجھے سیدھا کر دینا۔ رسول اللہ صلعم کی وفات ہوگئی۔ اس اُمت میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کا ذرا بھی حق ان کے ذِمّہ باقی ہو۔ سُن لو کہ میرا شیطان مجھے اغوا کرتا ہے، ایسی صورت میں اگر میں اس کے اغوا میں آجاؤں تو مجھ سے علیٰحدہ ہوجانا۔ اس وقت میرا تم پر کوئی حق نہیں رہے گا۔“

(علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، تاریخ طبری۔ حصّہ دوم، صفحہ 34,35)

اس خطبے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ خلیفۂ اوّل نے روحانی پیشوائی کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ خود کو سیاسی فرمانروا کے طور پر پیش کیا۔

مذہبی و اخلاقی معاملات میں بتدریج علماء کے اختیارات مستحکم ہوتے گئے جن کا کام قرآنی احکامات اور احادیث کی تعلیم میں عوام النّاس کی مدد کرنا اور ان مآخذ کی روشنی میں روزمرّہ زندگی سے متعلق اصول و ضوابط اور قوانین مرتب کرنا تھا جس کی وجہ سے اہلِ سُنّت میں مختلف فقہی مذاہب وجود میں آئے۔

جانشینِ رسولؐ - شیعہ نظریہ :

صحابۂ کرام میں ایک گروہ آنحضرتؐ کی زندگی ہی میں شیعانِ علی کے نام سے جانا جاتا تھا۔ ان میں ابتدائی دور کے قُرّاء (قرآن کے قاری) حضرات، حضرت ابوذر غفاری، سلمان فارسی، مقداد اور عمار بن یاسر جیسے برگزیدہ صحابی اور قبائلی عمائدین شامل تھے جو اسلام کیلئے اپنی عظیم خدمات پیش کر چکے تھے۔ اس گروہ کا یہ راسخ عقیدہ تھا، جو قرآن کی ان کی سمجھ اور تشریح پر مبنی تھا، کہ جانشینی کا مسئلہ سیاسی نہیں بلکہ خالصتہً دینی ہے۔ اور اسی اہمیت کے پیشِ نظر رسولِ خداؐ اپنی زندگی کے دوران بارہا قولاً اور عملاً اس بات کا اشارہ فرماتے رہے کہ آپ کے

بعد آپ کے چچا زاد بھائی اور داماد حضرت علیؑ آپ کے وصی، جانشین اور اُمّت کے امام ہوں گے۔ رسولِ پاک کی وفات کے ساتھ اگرچہ وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہوگیا تاہم اسلام کے ابدی پیغام کی مسلسل تشریح کے ذریعے اُمّت کی روحانی و اخلاقی رہنمائی کی ضرورت بدستور باقی رہی۔ اس سوچ کے بنیادی خدّ و خال پر تبصرہ کرنے سے پہلے جو شیعہ اسلام کی حیثیت سے اپنی شناخت رکھتی ہے، حضرت امام سلطان محمد شاہؑ کا اس پر مختصر و جامع تبصرہ کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے فرمایا کہ :

" Although direct Divine inspiration ceased at the Prophet's death, the need of Divine guidance continued and this could not be left merely to millions of mortal men, subject to the whims and gusts of passion and material necessity, capable of being momentarily but tragically misled by greed, by oratory, or by the sudden desire for material advantage. "

(Islam the religion of my ancestors, Aga Khan III. page 15)

”اگرچہ رسولؐ کی وفات پر وحیِ الٰہی کا براہِ راست سلسلہ بند ہوگیا مگر ہدایتِ خداوندی کی ضرورت بدستور باقی رہی۔ اور یہ ہدایت اُن لاکھوں فانی انسانوں پر نہیں چھوڑی جاسکتی جو اپنے میلانات، اپنی خواہشوں اور مادی ضرورتوں کے غلام ہیں۔ جو ایک لمحے میں المناک طور پر لالچ، زورِ تقریر یا مادی فائدے کی فوری خواہش سے گمراہ ہوسکتے ہیں۔۔۔“(اسلام میرے مورثوں کا مذہب، صفحہ 21)

جانشینیٔ رسول - سیاسی نہیں دینی معاملہ ہے :

منصبِ رسالت کوئی سیاسی منصب نہیں تھا۔ خدا کی جانب سے مبعوث کئے گئے انبیائے کرام میں سے سوائے چند ایک کے کسی نے سلطنت کی سیاسی حکمرانی کے فرائض ادا نہیں کئے بلکہ لوگوں کے درمیان رہ کر زندگی کے ہر پہلو سے متعلق ان کی رہنمائی فرمائی اور مومنین کا تزکیہ کر کے انہیں راہِ نجات دکھائی۔ رسولؐ کے جانشین کو بھی اسی طرح مذہبی و روحانی اختیارات (spiritual & religious authority) کا حامل ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں درج ذیل قرآنی آیات دعوتِ غور وفکر دیتی ہیں :

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ O (2:151)

"جیسے ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔"

اس آیت کے تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی آیتیں پڑھنا، کتاب وحکمت کی تعلیم دینا اور مومنین کا تزکیہ کرنا نبوت کے اہم فرائض قرار دیئے گئے ہیں جو خالصۃً روحانی نوعیت کے ہیں۔ تزکیۂ نفس کی مثال لیجئے جس کے معنی نفس کے پاک کرنے کے ہیں۔ انسان چونکہ جسم و روح کا مرکب ہے لہٰذا پاکیزگی دو طرح کی ہوسکتی ہے، جسمانی پاکیزگی اور روحانی پاکیزگی۔ معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والا کوئی بھی صفائی پسند انسان جسمانی پاکیزگی اور صفائی کا اہتمام بذاتِ خود کر

سکتا ہے۔ مومنین کو جسمانی طور پر پاک و پاکیزہ کرنے کا تصور شانِ رسالت کے منافی ہے۔

پس یہ تزکیہ باطنی نوعیت کا ہے۔ اللہ کی طرف سے بھیجے جانے والے ہادی اپنے روحانی و نورانی فیض سے اپنے پیروؤں کی روحوں کو بُرائی کی آلائشوں سے دور رکھتے ہیں اور ان کے گناہوں کی بخشش و مغفرت کا باعث بنتے ہیں اور یوں مومنین تزکیۂ باطنی سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

درج ذیل قرآنی آیت اس نکتہ کو مزید واضح کر دیتی ہے :

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ O (46:31)

"اے ہماری قوم ! اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کا کہنا مان لو اور اس پر ایمان لاؤ۔ وہ تمہارے گناہوں کو تمہارے لئے بخش دے گا اور تمہیں درد ناک عذاب سے بچالے گا۔"

اب منطقی طور پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلعم کے بعد مومنین تزکیۂ نفس کیلئے کس ہستی کی طرف رجوع کریں؟ وہ کون ہے جو انہیں اس وعدۂ الٰہی کے مطابق آخرت کے دردناک عذاب سے بچائے؟

جانشینِ رسول من جانب اللہ ہو :

اللہ تعالیٰ نے عالمِ انسانیت میں سے ایک گروہ کو برگزیدہ و مصطفیٰ کیا اور دوسرے تمام لوگوں پر اسے فضیلت عطا کی۔ انبیائے کرام کا تعلق اس خاص گروہِ انسانی سے ہے۔ تاریخ میں ہمیں کوئی بھی ایسی مثال نہیں ملتی کہ کبھی انسانوں کو یہ اختیار (authority) دیا گیا ہو کہ وہ جسے چاہیں اپنا نبی یا رسول مقرر کر

لیں بلکہ یہ اختیار ربّ العالمین نے اپنے پاس رکھا ہے اور اسے مومنین پر اپنا احسان قرار دیا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ O (3:164)

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان کیا جبکہ اس نے ان میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، اور انہیں پاک کرتا ہے، اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اگرچہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔"

اہلِ بیت کا خصوصی استحقاق :

اہلِ بیتِ رسول کی قدر و منزلت اور خصوصی استحقاق کے بارے میں ایک استدلال یہ بھی تھا کہ اگر تمام عربوں پر قریش کی برتری کو اس بنیاد پر تسلیم کر لیا جائے کہ آنحضرتؐ قبیلۂ قریش سے تعلق رکھتے تھے تو پھر اسی اصول کے تحت بنو ہاشم کی فضیلت تمام قریش پر اور اہلِ بیت کی بزرگی تمام بنو ہاشم پر مسلّم ہو جاتی ہے کیونکہ وہ قرابت دارانِ رسول میں سے تھے۔

قرآنِ کریم انبیائے کرام کے ساتھ ساتھ ان کے اہلِ بیت یا آل کو حاصل خصوصی مقام کا ذکر بھی نہایت واضح انداز میں کرتا ہے :

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَ نُوْحاً وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ O (3:33)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اور نوحؑ اور آلِ ابراہیمؑ اور آلِ

عمران کو تمام جہانوں پر مصطفیٰ کیا ہے۔"

پس اس نصِ قرآن کی روح کے مطابق ہر نبی اپنے اہل میں سے اپنا جانشین مقرر کرتے رہے۔ حضرت آدمؑ نے شیثؑ کو اپنا وصی بنایا۔ حضرت نوحؑ نے سام کے حق میں وصیت کی، حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسماعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کے جانشین بنے۔ حضرت یعقوبؑ نے حضرت اسحاقؑ کی نیابت کی۔ حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کے حق میں وصیت کی اور حضرت موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارون کو اپنا وزیر و خلیفہ بنایا۔

شیعی مکتبِ فکر کے مطابق حضرت محمد مصطفیٰؐ نے انبیائے کرام کی اس سنّت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے چچا زاد بھائی اور داماد حضرت علیؑ کو متعدد مواقع پر اپنا نائب، جانشین و وزیر مقرر فرمایا اور یہ عمل احکامِ الٰہی کے مطابق تھا کیونکہ رسولِ خداؐ وہی کچھ بیان کرتے تھے جو اُن پر وحی کی جاتی تھی۔ پورے دورِ نبوت میں حضرت علیؑ کی شخصیت سب سے نمایاں، یکتا و منفرد نظر آتی ہے۔ آنحضرتؐ کی زندگی میں انہیں آپؐ کے دست راست اور مشیرِ خاص کی حیثیت حاصل رہی۔ آپ ایک بہادر جرنیل تھے جو تمام غزوات میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ آپ دربارِ نبیؐ سے درِ حکمت اور بابُ العلم کے القاب پانے والے، علم و حکمت کے حامل، تمام معاملات میں عدل و انصاف کی عملی تصویر اور سخاوت و فیاضی میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔

حضرت محمدؐ نے دعوتِ ذی عشیرہ کے موقع پر انہیں اپنا وصی و وزیر قرار دیا۔ شبِ ہجرت کے مشکل مرحلے پر جب آپؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو مکہ میں حضرت علی علیہ السّلام کو اپنے نمائندے کی حیثیت سے چھوڑ گئے۔ مواخات کے موقع پر انہیں دُنیا و آخرت میں اپنا بھائی قرار دیا اور حجۃ الوداع

سے واپسی کے موقع پر غدیرِ خم کے مقام پر برسرِ منبر انہیں اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

شیعہ تشریح کی ان نظریاتی بنیادوں کو اسماعیلیوں کے 48 ویں امام حضرت امام سلطان محمد شاہؒ نے سادہ انداز میں بیان کیا ہے جسے حاصلِ مضمون کے طور پر یہاں پیش کیا جاتا ہے :

"The Shias say that this authority is all-pervading and is concerned with spiritual matters also, that it is transferred by inherited right to the Prophet's successors of his blood."

(Islam the religion of my ancestors, The Aga Khan III. Page 15)

ترجمہ :'' مگر شیعہ کہتے ہیں کہ یہ حاکمیت ہمہ گیر ہے اور (دُنیوی معاملات کی طرح) روحانی معاملات سے بھی تعلّق رکھتی ہے اور رسولؐ کے خاندانی وارثوں کی طرف موروثی حق کی رُو سے منتقل ہوتی ہے۔'' (اسلام میرے مورثوں کا مذہب، صفحہ 20)

خوارج :

ابتدائی اسلامی تاریخ اور خلافت سے متعلق سُنّی اور شیعہ تشریحات کے علاوہ اہلِ خوارج کا نظریہ بھی قابلِ ذکر ہے جس نے تاریخ میں گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ خارجی حضرت علیؑ کی فوج سے جنگِ صفین کے موقع پر الگ ہونے والے کوئی فوج کا حصّہ تھے جو معاویہ کے ساتھ کسی بھی قسم کی مصالحت کے سخت مخالف تھے۔ خلافت سے متعلق ان کا نظریہ یہ تھا کہ عوام النّاس یا اُمّت (community) کسی بھی ایسے شخص کو خلیفہ یا امام (دونوں اصطلاحات کا استعمال ہوا ہے) منتخب کر سکتے ہیں جو متقی و پرہیزگار ہو لیکن اگر وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو تو اُمّت پر لازم ہے کہ وہ ایسے خلیفہ کو نہ صرف اس کے منصب سے

معزول کر دے بلکہ اسے قتل کر دیا جائے۔ یہ لوگ انتہا پسندی کی طرف زیادہ مائل نظر آتے ہیں۔ آگے جا کر یہ گروہ مزید کئی شاخوں میں تقسیم ہو گیا جن میں ازرقہ، اجاریدہ، العبادیہ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ خوارج کا یہ نظریہ چونکہ خلیفہ کو منتخب کرنے اور برطرف کرنے کا اختیار قوم کو دیتا ہے جو جدید دور میں جمہوریت سے مماثلت رکھتا ہے اس لئے انہیں اسلامی جمہوریت کا علمبردار بھی کہا جاتا ہے۔

الغرض حضرت محمد صلعم کے وصال کے بعد اُمّت کی قیادت کے معاملے پر تین واضح طور پر ایک دوسرے سے مختلف مکاتبِ فکر سامنے آئے۔ اہلِ سُنّت کے نزدیک اربابِ حل و عقد باہمی مشاورت سے خلیفہ کا انتخاب کر سکتے ہیں جو قبیلۂ قریش سے ہو جبکہ اس منصب کی نوعیت سیاسی (political authority) ہوگی۔ شیعانِ علی اس نظریے کے حامل نظر آتے ہیں کہ یہ منصب روحانی نوعیت (spiritual authority) کا ہے لہٰذا رسولِ خداؐ کا جانشین من جانب اللہ رسولؐ کے اہلِ بیت سے ہوگا۔ جبکہ خارجیوں کے نزدیک یہ عوام النّاس کا استحقاق ہے کہ وہ کسی بھی شخص کو بطورِ خلیفہ یا امام چن سکتے ہیں اور برطرف کر سکتے ہیں۔

اسماعیلی کون ہیں ؟

اسلام کی شیعہ تشریح پر عمل پیرا شیعہ اثناعشریوں کے بعد دوسری بڑی شاخ اسماعیلیوں کی ہے۔ حضرت امام جعفر الصادق کی جانشینی کے مسئلے پر شیعہ جماعت تقسیم ہوئی۔ ایک گروہ نے امام جعفر الصادقؑ کے چھوٹے بیٹے موسیٰ کاظم کی بیعت کی اور یہ سلسلہ ان کی نسل میں محمد المہدی تک جاری رہا جو اثناعشری عقیدے کے مطابق غَیبت میں ہیں اور قیامت سے پہلے ان کا ظہور ہوگا۔ اثناعشر کے لفظی معنی 12 کے ہیں۔ ائمۂ اثناعشر کا سلسلہ بارہ اماموں تک رہا اور اسی نسبت سے یہ جماعت اثناعشریہ کے نام سے موسوم رہی۔ ائمۂ اثناعشریہ

کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

1 امیرالمومنین حضرت امام علی علیہ السلام
2 حضرت امام حسنؑ 3۔ حضرت امام حسینؑ
4 حضرت امام زین العابدینؑ 5۔ حضرت امام محمد باقرؑ
6 حضرت امام جعفر صادقؑ 7۔ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ
8 حضرت امام علی رضا 9۔ حضرت امام محمد تقی
10 حضرت امام علی نقی 11۔ حضرت امام حسن عسکری
12 حضرت امام محمد مہدی

جبکہ دوسرا گروہ امام جعفر صادقؑ کے بڑے فرزند حضرت اسماعیل سے وابستہ رہا اور اسی نسبت سے اسماعیلی کہلایا۔ آگے چل کر حضرت امام مستنصر باللہؑ کی وفات (487/1094) پر اسماعیلی جماعت دو حصّوں میں تقسیم ہو گئی جب مستعلوی اسماعیلی جنہوں نے آپ کے چھوٹے فرزند ابوالقاسم مستعلی کو حضرت امام مستنصر باللہؑ کے جانشین کے طور پر تسلیم کیا۔ اس سلسلے کے آخری امام الآمر (524/1130) کے قتل کے بعد اس جماعت کی قیادت داعی مطلق کرتے ہیں اور امام کے مستور ہونے کا عقیدہ ان کے بنیادی مذہبی تصورات میں سے ہے۔ گجرات ہندوستان میں آباد مستعلوی بوہرہ جماعت کے نام سے معروف ہیں اور ان کے موجودہ داعی سیّدنا برہان الدّین ہیں۔

امام مستنصر باللہؑ کے وہ پیروکار جو ان کے بڑے فرزند حضرت امام ابو منصور نزارؑ کی امامت کے قائل تھے نزاری اسماعیلی کہلائے۔ ان کے موجودہ امام پرنس کریم آغا خان اس سلسلے کے 49 ویں امام ہیں جو حضرت علیؑ اور بی بی فاطمۃ الزہرا خاتونِ جنت کی نسل سے ہیں۔

فقہی معاملات میں اسماعیلی جعفری مکتبۂ فکر یا مذہب سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ دینی تعلیمات کے باطنی پہلو کو اہمیت دینے کے باعث صوفیانہ طرزِ فکر سے بھی قربت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ نور مولانا شاہ کریم الحسینی حاضر امامؑ کے درج ذیل ارشاد سے واضح ہوتا ہے :

"Our historic adherence is to the Jafari Madhhab and other Madhahib of close affinity, and it continues, under the leadership of the hereditary Ismaili Imam of the time. This adherence is in harmony also with our acceptance of Sufi principles of personal search and balance between the zahir and the spirit or the intellect which the zahir signifies."

(International Islamic Conference, Amman, Jordan, 4th - 6th July, 2005).

ترجمہ : ''ہماری تاریخی وابستگی مذہبِ جعفریہ اور ان سے قربت رکھنے والے دیگر مذاہب کے ساتھ ہے جو زمانے کے موروثی اسماعیلی امام کی زیر قیادت جاری و ساری ہے۔ یہ وابستگی ذاتی تلاش و جستجو اور ظاہر و باطن (جوہر) اور عقل کے درمیان توازن کے صوفی اصولوں سے بھی مطابقت رکھتی ہے۔''

☆

باب دوم :

اسماعیلی عقائد و نظریات کا مختصر جائزہ

زیرِ نظر تحریر اسماعیلیوں کے تاریخی پس منظر، ان کے عقائد و نظریات اور مسلم اُمت کے وسیع تناظر (کینوس) میں ان کے مقام کو سمجھنے کی ایک کوشش ہے۔ اس سلسلے میں اسماعیلی جماعت کے ''آئین'' سے استفادہ کیا گیا ہے، خصوصاً اس کے دیباچہ سے، جو ایک ایسی مستند دستاویز ہے جسے ان کے امامؑ نے جماعت کے امور کو نظم و ضبط سے چلانے کے لئے اپنے دستخط سے جاری کیا ہے تاکہ کسی بھی قسم کے تشریحی و توجیہی ابہام یا غلطی کا احتمال نہ رہے اور تحریر کو علمی و فکری سوچ رکھنے والے حلقے اسماعیلی برادری کے ایک مستند تعارف کے طور پر لے سکیں۔

اسماعیلی آئین جماعت کے معاملات اور قائم شدہ مختلف اداروں کا نظم و نسق بحسن و خوبی چلانے کیلئے بنائے گئے اصول اور قواعد و ضوابط کا مجموعہ ہے جسے براہِ راست وقت کے امامؑ کی تائید حاصل ہے۔ موجودہ آئین 13/ دسمبر 1986ء سے نافذ العمل ہے۔ وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کیلئے 1998ء میں اس آئین میں امامِ زمانؑ کی طرف سے چند ترامیم کی گئیں۔ مولانا حاضر امامؑ نے 13/ دسمبر 2008ء کو اپنے ارشاد میں گولڈن جوبلی کے مقاصد کی تکمیل کیلئے قائم ہونے والے نئے اداروں کو آئین میں شامل کرنے کیلئے اس میں مزید ترمیم کرنے کا اشارہ بھی فرمایا ہے۔

آئین کا دیباچہ نظریاتی اعلامیے کی حیثیت رکھتا ہے جس میں اسماعیلی

برادری کے بنیادی عقائد کا واضح اور دوٹوک انداز میں اظہار کیا گیا ہے۔ منصبِ امامت کی نظریاتی و تاریخی بنیادیں کیا ہیں؟ امام کے اختیارات کا سرچشمہ کیا ہے؟ ایک مرید اور مرشد کے درمیان تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ ان کلیدی سوالات کو اس دیباچے کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے۔ اسماعیلی آئین کے دیباچے کی کل آٹھ (8) شقیں (آرٹیکلز) ہیں جن کے آخر میں شاہ کریم الحسینی ہزہائینس دی آغاخان کی بحیثیت امامِ زمانؑ مہر اور دستخط ثبت ہیں۔ ذیل میں اس کے شق وار تجزیے اور مطالعے کے ذریعے بنیادی اسماعیلی تصورات کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے :

(A) "The Shia Imami Ismaili Muslims affirm the shahadah 'la ilaha illa-llah, Muhammadur rasulu-llah', the Tawhid therein and that the Holy Prophet Muhammad (s.a.s.) is the last and final Prophet of Allah. Islam, as revealed in the Holy Quran, is the final message of Allah to mankind, and is universal and eternal. The Holy Prophet (s.a.s.) through the divine revelation from Allah prescribed rules governing spiritual and temporal matters."

الف : شیعہ امامی اسماعیلی مسلمان کلمۂ شہادت لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ کا اقرار کرتے ہیں یعنی توحید اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری پیغمبر اور خاتم النّبیین ہیں۔ اسلام جیسا کہ قرآنِ پاک میں فرمایا گیا ہے بنی نوع انسان کیلئے اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے جو عالمگیر اور دائمی ہے۔ پیغمبر صلعم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی الٰہی وحی کے ذریعہ روحانی و

دنیاوی معاملات سے متعلق اصول تجویز کئے اور ہدایت دی جو دنیاوی اور روحانی معاملات کا احاطہ کرتے ہیں۔

آئین کی اس شق سے اسماعیلیوں کے درج ذیل عقائد کا اظہار ہوتا ہے :

عقیدۂ توحید

عقیدۂ رسالت وختمِ نبوّت

قرآن بطورِ آخری آسمانی کتاب

اسلامی تعلیمات و ہدایات کا دُنیوی و روحانی معاملات پر محیط ہونا۔

عقیدۂ توحید :

اسماعیلی عقیدہ توحید کی بنیاد قرآنِ پاک، رسولِ خداؐ کی تعلیمات اور امامِ اوّل حضرت علیؑ کے توحید سے متعلق خطبات ہیں جو نہج البلاغہ میں جمع کیے گئے ہیں۔ قرآن کے مطابق اللہ سُبحانہ و تعالیٰ کائنات کا خالق، لوگوں کا پروردگار، لوگوں کا معبود اور لوگوں کا بادشاہ ہے جس کا اختیار و اقتدار ہر شے پر ہے۔ انسانی ذہن اپنی تمام تر عقلی صلاحیت کے باوجود اسے اپنے احاطۂ تخیل میں لا نہیں سکتا۔ بیشک وہ ہر اِک شے سے جدا اور بالاتر ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ (37:180)

''تمہارا پروردگار صاحب عزت ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔''

اسماعیلی نظریۂ توحید کی اساس سورۃ الاخلاص پر ہے جس کی بنیادی اہمیت کے پیشِ نظر اسماعیلی اپنی روزانہ کی دُعا میں اس کی تلاوت لازماً کرتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کا ارشادِ مبارک ہے کہ :

''دین کی پہلی بنیاد خدا کی معرفت ہے اور معرفت کا کمال اس کی تصدیق ہے اور کمالِ تصدیق توحید ہے، اور کمالِ توحید اس کو ہر چیز سے برتر ماننا ہے، اور کمالِ اخلاص صفات کی ذات سے نفی ہے کیونکہ ہر صفت غیر موصوف ہے، اور ہر موصوف غیر صفت ہے۔ جس نے اس کی توصیف میں ذات کو صفت و زائد سے ملایا اس نے گویا ذاتِ الٰہی میں دوئی پیدا کی، اور جس نے دوئی پیدا کی اس نے گویا اس کی ذات میں تقسیم مانی، اور جس نے ذاتِ الٰہی میں تقسیم مانی وہ نادان ہے۔ اور جس نے نادانی کی اس نے خدا کی طرف اشارہ کیا، اور جس نے اشارہ کیا اس نے اسے محدود کر دیا۔ اور جس نے یہ پوچھا کہ خدا کس چیز میں ہے؟ اس نے گویا کسی چیز کے ضمن میں اُسے قرار دیا اور جس نے سوال کیا کہ وہ کس چیز پر ہے؟ تو اس نے دوسرے مقام کو اس سے (خالی) تسلیم کر لیا۔

خداوند تعالیٰ ہمیشہ سے موجود ہے مگر حادث اور نُو پید نہیں۔ وہ موجود ہے مگر اس کی ہستی عدم و نیستی کے بعد نہیں۔ وہ ہر چیز کے ساتھ ہے لیکن بطورِ ہمسر نہیں۔ وہ ہر چیز سے الگ ہے لیکن اس سے کنارہ کش نہیں۔ وہ ہر چیز کا فاعل ہے لیکن اس کا فعل حرکات اور آلات کا نتیجہ نہیں۔ وہ بصیر ہے جب اس کی مخلوق نہ تھی۔ وہ منفرد ہے کیونکہ اس کا کوئی ایسا ساتھی نہیں جس سے وہ اپنا جی بہلائے اور جس کے نہ ہونے سے اُسے اُلجھن ہو۔ اُس نے دنیا کو پیدا کیا اور پہلے پہل بنایا بغیر اس کے کہ فکر کو کلام میں لاتا، یا تجربہ سے فائدہ اُٹھاتا، اور نہ اپنے نفس میں کوئی حرکت پیدا کی۔ نہ پہلے سے کوئی اہتمام کیا کہ جس

کیلئے بے چین ہوا ہو۔ اس نے چیزوں کو ٹھیک وقت پر عدم و نیستی سے وجود کی طرف لایا اور گوناگوں چیزوں میں موافقت اور سازگاری پیدا کی اور ہر چیز کو اس کی طبیعت اور مزاج عطا کیا۔ اور ان طبائع کے لئے شکل و صورت معین کی۔ وہ ان کی ابتداء اور آغاز سے پہلے ان سے واقف تھا۔ اس کا علم ان کے حدود اور انتہا کو محیط تھا۔ ان کی حالت اور پوشیدہ کیفیت سے آشنا تھا۔"

(نہج البلاغہ، صفحہ نمبر 122 - 120)

اسماعیلی اماموں نے ہر دور میں اپنے پیروکاروں کو اسی خالص توحید سے وابستہ رہنے کی ہدایت کی۔

نور مولانا شاہ کریم الحسینی حاضر امام نے اپنے ایک ارشاد مبارک میں تصورِ توحید کو اس طرح بیان فرمایا:

"یہ بات واضح ہے کہ حضرت عیسیٰؑ جسمانی لحاظ سے خدا کے بیٹے نہیں ہو سکتے کیونکہ باپ اور بیٹے کا جسمانی رشتہ ایک انسانی تصور ہے اور مسلمان ہونے کے ناطے سے ہمیں کسی بھی قسم کی بشری صفات اللہ تعالیٰ سے جوڑنے سے منع کیا گیا ہے۔ لہٰذا باپ اور بیٹے کا ایسا رشتہ نہیں ہو سکتا۔" (بمبئی 22 نومبر 1967)

عقیدۂ رسالت و ختمِ نبوّت:

اسماعیلی رسالتِ محمدی کے اقرار کے ساتھ ساتھ یہ راسخ ایمان بھی رکھتے ہیں کہ آنحضرت محمد صلعم خاتم النبیین اور نبی آخر الزمان تھے۔ ان کے بعد کوئی نبی یا رسولؑ آنے والا نہیں اور اسلام اللہ کا پسندیدہ اور آخری دین ہے۔ اسماعیلی

ائمہ فاطمی النسل یعنی ان کی لاڈلی بیٹی خاتونِ جنت بی بی فاطمۃ الزہرا اور حضرت علیؑ کی اولاد سے ہونے کے ناطے حضرت محمدؐ کو اپنا مورث اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ 48 ویں اسماعیلی امام حضرت امام سلطان محمد شاہؒ نے آنحضرتؐ کی ذات کو نجات کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"The Holy Prophet of Islam is to us Muslims the last and the greatest messenger from the Creator and through him man is to find salvation in both this world and the next.

(Foreword by Imam Sultan Muhammad Shah to the book "Muhammad a Mercy to all the Nation" by Qasim Ali Jairazbhoy, page.11)

ترجمہ: "پیغمبر اسلام حضرت محمد صلعم مسلمانوں کے نزدیک اللہ کے آخری اور عظیم پیغامبر ہیں جنکے ذریعے انسان اس دنیا اور اگلی دنیا میں نجات حاصل کر سکتا ہے۔"

شاہ کریم الحسینی حاضر امامؑ موجودہ دور میں مسلمانوں کو درپیش مسائل کا حل حضرت محمد صلعم کی تعلیمات میں تلاش کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور انہیں عالمِ اسلام کیلئے زندگی کے ہر ایک پہلو میں مثالی نمونہ قرار دیتے ہیں۔ 1976ء میں کراچی میں منعقدہ بین الاقوامی سیرت کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے دنیا بھر کے مسلم دانشوروں کو رسول اللہ صلعم کی تعلیمات کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دیتے ہوئے سرکار مولانا حاضر امامؑ نے فرمایا:

"The Holy Prophet's life gives us every fundamental guideline that we require to resolve the problems as successfully as our human minds and intellects can visualize. His example of integrity, loyalty, honesty, generosity both of means and of time, his solicitude for the poor, the weak and the sick, his steadfastness in friendship, his humility in success, his magnanimity in

victory, his simplicity, his wisdom in conceiving new solutions for problems which could not be solved by traditional methods, without affecting the fundamental concepts of Islam, surely all these are foundations which, correctly understood and sincerely interpreted, must enable us to conceive what should be a truly modern and dynamic Islamic Society in the years ahead."

(International Seerat conference, Karachi, 12th March,1976)

ترجمہ: ''رسولِ پاک صلعم کی مبارک زندگی میں ہمیں ہر وہ بنیادی خطوط ملتے ہیں جن کی مسائل کو اس قدر کامیابی سے حل کرنے کیلئے جس قدر کہ ہمارے انسانی ذہن اور عقول تصور کر سکتے ہیں ہمیں ضرورت ہے۔ دیانتداری، وفاداری، ایمانداری، وسائل اور وقت دونوں لحاظ سے فیاّضی، غریبوں، کمزوروں اور بیماروں کے متعلق فکر مندی، دوستی میں ثابت قدمی، کامیابی کے وقت حلیمی، فتح مندی میں فراخدلی اور سادگی، روایتی طریقوں سے جو مسائل حل نہ کئے جا سکتے تھے، اسلام کے بنیادی تصورات کو متاثر کئے بغیر ان کیلئے حل تلاش کرنے میں ان کی حکمت، یقیناً یہ تمام بنیادیں ہیں جن کی صحیح سمجھ اور خلوص کے ساتھ تشریح ہی ہمیں اس قابل بنائے گی کہ ہم تصور قائم کرسکیں کہ مستقبل میں کس طرح کا صحیح معنوں میں جدید اور اثر آفرین اسلامی معاشرہ ہونا چاہیے۔''

(خطبۂ صدارت، انٹرنیشنل سیرت کانفرنس، کراچی 12/ مارچ 1976ء)

قرآنِ شریف بطورِ آخری آسمانی کتاب:

قرآن پاک حضورِ اکرم پر نازل ہونے والی وحی الٰہی کا مجموعہ، کلامِ ربانی اللہ تعالیٰ کی آخری آسمانی کتاب ہے۔ یہ بنی نوعِ انسان کیلئے اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے جس میں دین و دنیا ہر دو پہلو سے متعلق جامع ہدایات موجود ہیں۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق یہ دنیا اگلی دنیا کیلئے ایک راہ گزر، ایک راستہ اور پُل کی حیثیت رکھتی ہے لہٰذا ایک مومن سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی دنیاوی ذمہ داریوں کو نظر انداز نہیں کریگا اور نہ ہی ترکِ دنیا کا راستہ اپنائے گا بلکہ اس دنیاوی زندگی کو تعلیماتِ اسلامی کے مطابق احسن طریقے سے گزار کر اپنی اُخروی زندگی کو تابندہ کریگا۔ لیکن اگر اس کے عارضی پن کو فراموش کر کے اسی کو اپنا مستقل مسکن سمجھ لیا جائے تو یہ دنیا ایک پُر فریب دھوکہ بن جاتی ہے جو انسان کو اس کی منزل سے دور کر دیتی ہے۔

قرآنِ پاک کو بجا طور پر مولانا حاضر امامؑ نے اسلام کا معجزہ قرار دیا ہے۔ یہ کتاب اپنی ہمہ گیریت اور آفاقی حیثیت کی بدولت تمام مسلمانوں کو نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاکِ کاشغر بلا امتیازِ رنگ و نسل ایک دینی رشتے میں منسلک کر دیتی ہے اور اس قدرِ مشترک کی وجہ سے ان کے درمیان ایک دینی اخوت اور بھائی چارے کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ شاہ کریم الحسینی حاضر امامؑ نے اس سلسلے میں ارشاد فرمایا:

"The revelation granted to the Holy Prophet Muhammad (peace be upon him) opened new horizons and released new energies of mind and spirit. It became the binding force that held the Muslims together despite the far-flung land in which they lived, the diverse languages and dialects they spoke, and the multitude of

traditions".

(Graduation ceremony at IIS, London, 19 October 2003)

ترجمہ: ''فیضانِ وحی (قرآنِ شریف) نے جو رسولؐ کو عطا ہوا، نئے اُفق کھولے اور ذہن اور روح کی نئی توانائیوں کو خارج کیا۔ یہ ایک ایسی جوڑنے والی قوّت بن گئی جس نے دوُر دراز علاقوں میں رہنے، متنوّع زبانیں اور بولیاں بولنے اور روایتوں کی کثرت کے باوجود مسلمانوں کو یکجا رکھا۔''

اسلامی تعلیمات و ہدایت کا دنیوی اور روحانی معاملات پر محیط ہونا:

اسلام کا پیغام دین اور دُنیا کے مابین فرق نہیں کرتا۔ اس کی تعلیمات ایک مسلم کی زندگی کے دنیوی و روحانی دونوں پہلوؤں پر محیط ہیں۔ قرآنِ حکیم مومنین کو دنیوی و اُخروی دونوں نعمتوں کے حصول کیلئے مندرجہ ذیل دُعا سکھاتا ہے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (2:201)

''اے اللہ ! ہمیں دُنیا میں بھی نیکی عطا فرما اور آخرت میں بھی نیکی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا۔''

رسولِ خدا صلعم کا بھی ارشاد ہے کہ:

اُمِرْتُ لِصَلَاحِ دُنْیَاکُمْ وَ نِجَاتِ آخِرَتِکُمْ

''میں تمہاری دنیوی بھلائی اور آخرت کی نجات کے واسطے بھیجا گیا ہوں۔''

(وجہ دین، جلد اوّل، صفحہ 12)

اسی الٰہی منشا کے مطابق رسولِ خداؐ کے بعد منصبِ امامت مریدوں کی دنیوی اور روحانی فلاح و بہبود کیلئے اپنی تمام کوششیں وقف کرتا رہا ہے۔ اسی

اصول کی پیروی میں آج اسماعیلی امامت اپنے پیروؤں سمیت پوری انسانیت کی دنیوی و روحانی ترقی و آبادی کے لئے اپنے تمام وسائل بروئے کار لا رہی ہے۔

عقیدۂ امامت :

(B) "In accordance with Shia doctrine, tradition, and interpretation of history, the Holy Prophet (s.a.s.) designated and appointed his cousin and son-in-law Hazrat Mawlana Ali Amiru-l-Mu'minin (a.s), to be the first Imam to continue the Ta'wil and Ta'lim of Allah's final message and to guide the murids, and proclaimed that the Imamat should continue by heredity through Hazrat Mawlana Ali (a.s.) and his daughter Hazrat Bibi Fatimat-az-Zahra, Khatun-i-Jannat (a.s)."

ب : شیعہ عقائد، روایت اور تاریخ کی تشریح کے مطابق پیغمبر صلعم نے اپنے چچا زاد بھائی اور داماد حضرت مولانا علی امیرالمومنین علیہ السلام کو پہلا امام مقرر فرمایا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغام کی تاویل اور تعلیم کو جاری رکھیں اور مریدوں کو ہدایت دیں اور اس بات کا باضابطہ اعلان فرمایا کہ امامت حضرت مولانا علی علیہ السلام اور ان کی بیٹی حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا خاتونِ جنت علیہا السلام کے ذریعے وراثۃً جاری رہنی چاہیے۔

دیباچے کی اس شق میں اسماعیلی جماعت کی شیعہ عقائد سے وابستگی کا ذکر ہے۔ خصوصاً اس شق میں عقیدۂ امامت اور حضرت علیؑ اور دُخترِ رسولؐ حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا خاتونِ جنت کی نسل میں یہ سلسلۂ امامت جاری و ساری رہنے کا ذکر ہے۔ تصورِ امامت کو سمجھنے کیلئے ہمیں اس کا تاریخی پس منظر جاننا ہو گا۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد صلعم کی زندگی میں آپ کی ذات میں مختلف پہلو

نظر آتے ہیں۔ آپ صلعم قرآنی حکم کے مطابق مسلمانوں کے درمیان تنازعات کے فیصلے کرتے تھے اور یوں عدالتی و ثالثی کا کردار ادا کرتے تھے۔ آپ اہلِ ایمان کے تزکیۂ نفس کے ذمہ دار تھے، انہیں علم و حکمت کی تعلیم دیتے اور لوگوں کیلئے اللہ کے آخری پیغام قرآن شریف کی تشریح و تاویل بیان فرماتے۔ ساتھ ہی مدینہ میں قائم ہونے والی ریاست کے سیاسی امور کی نگرانی و قیادت بھی کرتے۔ گویا آپ ایک سیاسی سربراہ بھی تھے۔

حضرت محمد صلعم کی ذاتِ باصفات ایک ایسا مرکز تھی جس نے اُمت کی شیرازہ بندی کر رکھی تھی اور مختلف رجحانات و میلانات رکھنے کے باوجود لوگ عمومی طور پر متحد تھے اور کوئی قابل ذکر ٹکراؤ کی صورتِ حال پیدا نہیں ہوئی تھی اور اگر ایسا کوئی واقعہ ہوا بھی تو رسولِ خدا نے اپنے تدبر و اختیار سے اُسے نمٹا دیا۔

حضور صلعم کی وفات کے بعد مسلمانوں کو مختلف مسائل **(challanges)** کا سامنا کرنا پڑا جس میں سب سے بڑا قیادت یعنی جانشینی کا مسئلہ تھا، جس نے بحرانی صورت اختیار کرلی۔ حضور صلعم کا جانشین کسے بننا چاہیے؟ اُس جانشین کے منصب کی نوعیت کیا ہو گی اور اس کے اختیارات کیا ہونگے اور اُس جانشین کا فیصلہ کون کرے گا؟ اِن بنیادی سوالات کے نتیجے میں سوچ کے دو دھارے سامنے آئے۔

ایک مکتبِ فکر یہ تھا کہ حضرت محمد صلعم خاتم النّبیّین تھے اور قرآنِ پاک یا رسول اللہ نے کسی بھی شخص کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا۔ قرآن اور رسولِ خدا کی سنّت ہدایت و رہنمائی کیلئے کافی ہیں اور اس طرح روحانی پیشوا یا دینی رہنما کی اب ضرورت باقی نہیں رہتی۔ البتہ مدینہ کی ریاست کے سیاسی امور سنبھالنے کیلئے قائد لازمی ہے اور لوگوں کے اجماع اور حمایت سے اس کا انتخاب کیا جا سکتا ہے۔

اور اس طرح حضرت ابوبکر خلیفۃ الرسول کی حیثیت سے سامنے آئے۔ اس مکتبِ فکر نے آگے چل کر اہلِ سُنت و الجماعۃ کے نام سے اپنی شناخت کو مستحکم کیا۔

دوسرا مکتبِ فکر جو آگے چل کر اہلِ تشیع کے نام سے موسوم ہوا یہ باور کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے ہادیانِ برحق انبیاء و ائمہ مومنین کیلئے روحانی نجات دہندہ بن کر آئے اور اپنے روحانی فیضان کی بدولت لوگوں کو دنیاوی و دینی زندگی کے ہر دو پہلو سے متعلق ہدایات فراہم کیں۔ وہ پیروکاروں کیلئے اللہ کی رحمت کا مظہر ہوا کرتے ہیں جنکے طفیل لوگ فلاح پاتے ہیں۔

اس عقیدے کی رُو سے حضور صلعم نے اپنی زندگی کے دوران بارہا اپنے بھائی اور داماد حضرت علیؑ کو اپنا جانشین، وصی اور وزیر کی حیثیت سے متعارف کروایا۔ یہ استدلال مختلف قرآنی دلائل و تاریخی شواہد کو اپنے موقف کی سند کے طور پر پیش کرتا ہے۔ قرآنی دلائل میں آیۂ ولایۃ، الم نشرح، آیۂ بلّغ، آیۂ تطہیر، آیۂ مباہلہ وغیرہ شامل ہیں جبکہ تاریخی شواہد میں دعوت ذوالعشیرہ، ہجرتِ مدینہ، مواخات، واقعۂ غدیر و خیبر شامل ہیں جن میں حضرت علی کا کردار بطور وزیر و جانشینِ رسولؐ نہایت ہی واضح طور پر سامنے آتا ہے۔ اس مکتبۂ فکر کے نزدیک عقیدۂ امامت مرکزی و اساسی اہمیت رکھتا ہے اور یہ سلسلہ حضرت علیؑ اور ان کی فاطمی النّسل اولاد میں جاری رہے گا۔ (اس موضوع کا تفصیلی ذکر باب چہارم میں موجود ہے)۔

امامت کی جانشینی :

> **(C) "Succession of Imamat is by way of Nass, it being the absolute prerogative of the Imam of the time to appoint his successor from amongst any of his male descendents whether they be sons or remoter issue."**

ج : امامت کی جانشینی نص کے ذریعے ہوتی ہے اور یہ صرف امام الوقت کا ہی اختیارِ مطلق ہے کہ وہ اپنی نرینہ نسل میں سے کسی کو بھی خواہ وہ بیٹے ہوں یا دور کی اولاد اپنا جانشین مقرر فرمائے۔

دیباچے کی اس شق میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ امام کا تقرر یا تعین کس طرح ہو گا اور یہ کس کا استحقاق ہو گا۔ شیعہ عقائد کے مطابق امامت کا منصب من جانب اللہ ہے اور اس کا مقصد ہدایت ہے۔ تمام ہادیانِ برحق منصوص مِن اللہ ہوا کرتے ہیں لہٰذا امام بھی بذریعہ نص پیشرو امام سے اختیار (authority) حاصل کرتے ہیں۔

نصّ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ ن ص ص ہے اور جس کے معنی ہیں کسی شئے کو اُٹھانا، بلند کرنا، مقرر کرنا اور ظاہر ہونا۔ اصطلاحی طور پر نصُّ الکتاب اور نصُّ السّنّہ سے مراد قرآنِ حکیم اور احادیث کے وہ سادہ احکام ہیں جو صاف اور ظاہر الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے نیابت کا اعلان یوں فرمایا :

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ؕ (2:30)

''یقیناً میں ہی زمین پر خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔''

گویا یہ سعادت و نیابت بزور بازو حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ یہ خالقِ کائنات کی عطا کردہ ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم، حضرت نوح، آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو تمام عالمین پر برگزیدہ کیا، بزرگی عطا کی اور فضیلت بخشی۔ حضرت محمد صلعم کی رسالت کا ذکر قرآنِ شریف میں یوں کیا گیا:

یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۝ وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ (46:33)

''اے نبی ہم نے تمہیں گواہی دینے والا اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے اِذن سے بُلانے والا اور نور دینے والا چراغ (بنا کر بھی)۔''

امامت کا منصب بھی اللہ کی جانب سے ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے :

وَ جَعَلْنٰھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ۝ (21:73)

''اور ہم نے انہیں امام بنایا کہ وہ ہمارے امر کے ساتھ ہدایت کرتے تھے۔''

چنانچہ اسی اصول کے تحت ہر امام اپنے بعد آنے والے امام کو مقرر کرتے ہیں اور یہ ہر امام کا ناقابلِ تنسیخ استحقاق ہے۔

امامؑ کی بیعت :

(D) "The authority of the Imam in the Ismaili Tariqah is testified by Bay'ah by the murid to the Imam which is the act of acceptance by the murid of the permanent spiritual bond between the Imam and the murid. This allegiance unites all Ismaili Muslims worldwide in their loyalty, devotion and obedience to the Imam within the Islamic concept of universal brotherhood. It is distinct from the allegiance of the individual murid to his land of abode."

د : اسماعیلی طریقے میں امام کا اختیار مرید سے امام کی بیعت کے ذریعے ثابت ہوتا ہے جو کہ مرید کی جانب سے امام اور مرید کے

درمیان مستقل روحانی بندھن کو تسلیم کرنے کا عمل ہے۔ یہ وفاداری عالمگیر بھائی چارے کے اسلامی تصور کے اندر رہتے ہوئے دُنیا بھر کے تمام اسماعیلی مسلمانوں کو امام کے لئے ان کی وفاداری، جان نثاری اور فرمانبرداری کے لحاظ سے متحد کرتی ہے۔ یہ وفاداری اُس وفاداری سے مختلف ہے جو ایک مرید اپنے وطن کیلئے کرتا ہے۔

اگر کوئی شخص اسماعیلی طریقے میں شمولیت اختیار کرنا چاہتا ہے تو وہ امام الوقت کی بیعت کے ذریعے ایسا کر سکتا ہے۔ اس طرح وہ امامِ زمان کی مریدی کے حلقے میں داخل ہو جاتا ہے اور اس مرید اور امام کے درمیان ایک مستقل روحانی تعلق قائم ہو جاتا ہے اور یوں وہ فرد شیعہ امامی اسماعیلی برادری کا رکن بن جاتا ہے۔

بیعت کی اصطلاح قرآنی ہے جو قبل از اسلام عرب معاشرے میں بھی مروج تھی۔ یہ ایک علامتی اظہار ہے جو کسی معاہدے، عہدوپیماں یا قول و قرار کی تکمیل پر کیا جاتا ہے۔ جس میں ایک فریق اپنا ہاتھ دوسرے فریق کے ہاتھ میں دے کر اپنی گرمجوشی اور خوشی کا اظہار کرتا ہے۔ اس سلسلے میں باہمی رضامندی لازمی شرط ہے کیونکہ بیعت ایک رضاکارانہ اختیاری عمل ہے جس میں کسی بھی قسم کی زور و زبردستی کو کوئی دخل نہیں۔

موجودہ دور میں اسماعیلی جماعت خانے میں حاضر امام کے نامزد کردہ نمائندوں مکھی کامڑیا صاحبان یا کسی ایسے فرد کے سامنے بیعت کی رسم ادا کرتے ہیں جسے امام کی طرف سے اختیار یا امر حاصل ہو۔ یہ روایت رہی ہے کہ ہر نومولود کو بیعت کے لئے مکھی کامڑیا صاحبان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جو امام کی جانب سے اس مرید سے بیعت قبول کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ بیعت چھوٹی عمر

میں ہوتی ہے لیکن ایک مرید مذہب پر عمل کرتے ہوئے مختلف رسومات کے ذریعے وقتاً فوقتاً اس عہد کی تجدید کرتا رہتا ہے۔ یہ دو طرفہ قول و قرار ہے جیسا کہ امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

''آپ ہماری بیعت کرتے ہیں یعنی آپ قول دے کر اپنا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں دیتے ہیں۔ قول یہ ہے کہ آپ کی حیاتی تک ہمارا فرمان آپ کی گردن پر ہو گا اور آپ ہماری فرمانبرداری کریں گے۔ جو آدمی ہماری فرمانبرداری کرتا ہے، ہماری تابعداری کا قول دیتا ہے اس کو ہم بھی قول دیتے ہیں کہ ہم ان کا ہاتھ آخرت میں پکڑیں گے۔'' (مجبوڑی، 31-10-1903)

بیعت کا یہ عمل اسماعیلیوں کو ایک آفاقی اسلامی بھائی چارے اور اخوت کے رشتے میں منسلک کردیتا ہے۔

اخلاقی ضابطے و آئین :

(E) "From the time of the Imamat of Hazrat Mawlana Ali (a.s), the Imams of the Ismaili Muslims have ruled over territories and peoples in various areas of the world at different periods of history and, in accordance with the needs of the time, have given rules of conduct and constitution in conformity with the Islamic concepts of unity, brotherhood, justice, tolerance and goodwill."

ہ : حضرت مولانا علی علیہ السلام کی امامت کے زمانے سے لے کر اسماعیلی مسلمانوں کے ائمہ نے تاریخ کے مختلف ادوار میں دنیا کے مختلف حصوں میں کئی علاقوں اور قوموں پر حکومت کی ہے اور

وقت کے تقاضوں کے مطابق ایسے اخلاقی ضابطے و آئین عطا فرمائے ہیں جو اتحاد، بھائی چارے، انصاف، رواداری اور نیک نیتی کے اسلامی تصورات سے ہم آہنگ تھے۔

اس شق میں اسماعیلی برادری (community) کے تاریخی پس منظر کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسماعیلیوں کی تاریخ مختلف ادوار میں پُر آشوب رہی ہے اور وہ مختلف زمانوں میں دنیا کے الگ الگ علاقوں میں آباد رہے اور زمانے کے نشیب و فراز سے گزرے ہیں۔ ایک طرف دورِ ستر میں نامساعد حالات کا یہ عالم تھا کہ اپنے عقیدے کا برملا اظہار بھی ممکن نہ تھا تو دوسری جانب مصر میں فاطمی خلافت نے اسلامی تہذیب و تمدن میں نئے رنگ بھرے۔ الموت (ایران) بھی ایک بڑے عرصے تک اسماعیلی ریاست کا مرکز رہا۔ شام، ایران، یمن اور برصغیر ہندوپاک بھی اسماعیلیوں کے بڑے مراکز رہے۔ اس تمام عرصے میں اسماعیلی اپنے وقت کے امام سے وابستہ رہے اور ان کی ہدایات و رہنمائی سے فیض حاصل کرتے رہے۔ یوں یہ جماعت نظم و ضبط اور وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو کر آگے بڑھتی رہی۔

دُنیوی و روحانی ترقی :

(F) "Historically and in accordance with Ismaili tradition, the Imam of the time is concerned with spiritual advancement as well as improvement of the quality of life of his murids. The Imam's ta'lim lights the murid's path to spiritual enlightenment and vision. In temporal matters, the Imam guides the murids, and motivates them to develop their potential."

و : تاریخی طور پر اسماعیلی روایت کے مطابق امام الوقت اپنے

مریدوں کی روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ اُن کے معیارِ زندگی کو بہتر بنانے کے لئے بھی فکر مند رہتے ہیں۔ امامؑ کی تعلیم مرید کے راستے کو روحانی روشنی اور روشن خیالی کے لئے منور کرتی ہے۔ دنیاوی معاملات میں امام مریدوں کی رہنمائی فرماتے ہیں اور اُن کی صلاحیت کو ترقی دینے کی ترغیب دیتے ہیں۔

اسلام میں دین و دنیا کے تصورات ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ دین انسان کی زندگی کا ایک لازمی جز ہے۔ دینی تعلیمات کا عکس آپس کے لین دین اور دنیاوی معاملات کے تمام شعبوں میں نظر آنا چاہیے تاکہ مذہب ایک انسان کی زندگی کا لازمی جز بن کر رہے۔

منصبِ امامت کا ہمیشہ یہ کردار رہا ہے کہ مریدوں کے دنیاوی حالات بہتر بنانے کیلئے اقدامات کیے جائیں اور ادارے قائم کئے جائیں۔ کیونکہ اگر کوئی شخص غمِ روزگار میں اُلجھا ہوا ہوگا تو وہ یکسوئی کے ساتھ مذہب پر عمل نہیں کر سکے گا۔ موجودہ دور میں فلاحی اداروں کا یہ سلسلہ **Aga Khan Development Network** کے نام سے عالمی شہرت اختیار کر چکا ہے جس کے تحت زندگی کے مختلف شعبوں مثلاً صحت، تعلیم، ہاؤسنگ، بنکینگ، ثقافت وغیرہ سے متعلق ادارے کام کر رہے ہیں۔ **AKDN** کا واحد مقصد پسماندہ علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے معیارِ زندگی کو بلند کرنا ہے۔ یہ ادارے اسماعیلیوں کے لئے ہی مخصوص نہیں بلکہ تمام انسانوں کی بلا امتیاز خدمت کر رہے ہیں۔

امامِ زمان اپنی تعلیم سے دین کی تشریح کر کے ایسے مواقع اور ماحول فراہم کرتے ہیں کہ مرید ان پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی کے روحانی مقصد کو پا سکے۔ اور یوں امام مریدوں کی دنیاوی و دینی بہتری کیلئے اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

مولانا حاضر امامؑ آلِ رسولؐ ہیں :

(G) Mawlana Hazar Imam Shah Karim al Hussaini, His Highness Prince Aga Khan, in direct lineal descent from the Holy Prophet (s.a.s.) through Hazrat Mawlana Ali (a.s.) and Hazrat Bibi Fatima (a.s), is the Forty-Ninth Imam of the Ismaili Muslims."

ز : مولانا حاضر امام شاہ کریم الحسینی ہزہائی نس پرنس کریم آغا خان حضرت مولانا علی علیہ السلام اور حضرت بی بی فاطمہ علیہا السلام کے ذریعے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل میں اسماعیلی مسلمانوں کے انچاسویں امام ہیں۔

موجودہ امام نور مولانا شاہ کریم الحسینی حاضر امام 11 جولائی 1957ء کو بحیثیت 49 ویں امام تختِ امامت پر جلوہ افروز ہوئے۔ برکات وِلا جینوا میں اسماعیلی جماعت کے لیڈران کے سامنے 48 ویں امام حضرت امام سلطان محمد شاہؑ کی وصیت پڑھ کر سُنائی گئی۔ اس وصیت میں تحریر ہے کہ :

EVER since the time of my ancester ALI the first Imam that is to say over a period of some thirteen hundred years it has always been the tradition of our family that each Imam chooses his successor at his absolute and unfettered discretion from amongst any of his descendants whether they be sons or remoter male issue.

I APPOINT my grandson KARIM the son of my son ALY SALOMONE KHAN to succeed to the title of AGA KHAN and to be the Imam and Pir of all my Shia Ismailian followers...

(Willi Frischauer, The Aga Khans, page 207-208)

”میرے مورث اور پہلے امام حضرت علیؑ کے دور سے یعنی تقریباً

تیرہ سو سالوں سے ہمارے خاندان کی یہ روایت رہی ہے کہ ہر امام اپنے مکمل اور ناقابلِ تنسیخ صوابدیدی اختیار کے تحت اپنی نرینہ اولاد، جو خواہ ان کے بیٹے ہوں یا دُور کی اولاد، میں سے کسی کو بھی اپنے جانشین کے طور پر منتخب کرتے رہے ہیں۔ ہم اپنے پوتے پرنس کریم کو جو ہمارے بیٹے علی سلمان خان کے فرزند ہیں، آغا خان کے موروثی لقب کے ساتھ اپنے جانشین اور تمام شیعہ اسماعیلی پیروکاروں کے امام اور پیر کی حیثیت سے نامزد کرتے ہیں۔“

امامؑ کے اختیارات :

(H) "By virtue of his office and in accordance with the faith and belief of the Ismaili Muslims, the Imam enjoys full authority of governance over and in respect of all religious and Jamati matters of the Ismaili Muslims."

ح : اپنے عہدے کے لحاظ سے اور اسماعیلی مسلمانوں کے ایمان اور عقیدے کے مطابق امام کو اسماعیلی مسلمانوں کے تمام مذہبی اور جماعتی معاملات میں کلی اختیار حاصل ہے۔

شیعہ عقائد کے مطابق حاضر امامؑ مریدوں کی زندگی پر کلی اختیار رکھتے ہیں اور انفرادی و اجتماعی معاملات میں ضروری ہدایات فراہم کرتے ہیں۔ آپؑ ہی طریقے کے تمام امور و فرُعات کو حتمی طور پر طے کرتے ہیں۔ کسی بھی فرد کو جو بیعت کر کے اسماعیلی طریقے میں شامل ہو چکا ہو یہ حق حاصل نہیں کہ طریقے کے معاملات میں کسی قسم کا ردو بدل کرے یا ایسا کرنے کی کوشش کرے۔

امام سلطان محمد شاہ نے اپنی سوانح عمری میں اس نکتے کی یوں وضاحت کی ہے :

"Our religion is our religion, you either believe in it or you do not. You can leave a faith but you cannot, if you do not accept its tenets, remain within it and claim to 'reform' it.

(The Memoirs of Aga Khan, page no.187)

ترجمہ : ''ہمارا مذہب ہمارا مذہب ہے۔ آپ یا تو اس پر ایمان رکھ سکتے ہیں یا نہیں۔ آپ ایک عقیدے کو چھوڑ تو سکتے ہیں لیکن آپ اگر کسی اصول سے اختلاف رکھتے ہیں یا قبول نہیں کرتے تو اس عقیدے میں رہتے ہوئے اصلاح کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔''

مولانا حاضر امامؑ نے اختیارِ امام کو یوں بیان فرمایا :

" In the context of development in the years ahead, there is one central premise which I underline to my spiritual children today, is to keep true to the tradition of our Tariqah. I have and will continue to make changes in practice in various parts of the world so that the Jamats can come together around common practices even if they have come from different backgrounds. These practices will be rooted singularly in the history of our Tariqah and therefore, whatever modifications are made; these will be true to the integrity of our Tariqah as it has developed historically. And I would wish my Jamats to know that on this issue there will be no compromise. The essence of our Tariqah will remain the essence of our Tariqah, wherever any Murid is living at this time."

(Dubai,13-12-2003)

ترجمہ:''آنے والے سالوں میں ترقی کے حوالے سے ایک بنیادی بات جس پر ہم آج اپنے روحانی بچّوں کیلئے زور دینا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہمارے طریقہ کی روایت پر قائم رہیں۔ ہم نے دُنیا کے مختلف حصّوں میں پریکٹس میں تبدیلیاں کی ہیں اور ایسا کرنا

جاری رکھیں گے تا کہ جماعت، اگرچہ اُن کا تعلق مختلف پس منظروں سے ہو، مشترکہ پریکٹسز (practices) کے گرد جمع ہو سکے۔ مگر یہ پریکٹسز (practices) کلیتہً (singularly) ہمارے طریقہ کی تاریخ سے حاصل کی ہوئی (rooted) ہوں گی۔ اور اس لئے جو بھی ترمیمات کی جائیں گی وہ ہمارا طریقہ تاریخی طور پر جس طرح پروان چڑھا ہے اس کی سالمیت (integrity) کے مطابق ہوں گی۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ ہماری جماعت جانیں کہ اس معاملے پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو گا۔ ہمارے طریقہ کا جوہر ہمارے طریقے کا جوہر رہے گا خواہ کوئی بھی مرید اس وقت کہیں بھی رہتا ہو۔''

آپ نے ایک اور مقام پر فرمایا کہ:

"Our Jamat has a living Imam and it is our tradition, it is our belief, that it is the Imam of the Time that gives guidance and direction in matters concerning the Tariqah. I wish it therefore to be well-understood that I will continue to give guidance on matters concerning the Tariqah, that I will give you the direction which I believe is the direction which you should follow and that in looking at the Jamat around the world, I will be conscious of differences of traditions and I will note them. I will reflect about them. I will look at them with love and affection. But I will also, where it is necessary, make adjustments to the fact that our world is changing because that is the role, that is what the Imam of the Time is to do for the Jamat.

So I wish it to be clear to my Jamat in Tanzania as elsewhere that it is the Imam of the Time whose responsibility it is to give guidance and direction on

Tariqah matters. Therefore let yourself not be misled and believe not that the Imam is not aware, for he is aware of what is happening in the Jamat not only in this part of the world but elsewhere. And there will be no compromise on the fundamentals of our Tariqah. You may be absolutely assured of that.

Our tradition goes back centuries. It is an esoteric tradition; it is an intellectual tradition; it is a personal tradition; it is a tradition that stems from Hazrat Ali and there will be no compromise on the essence of those traditions. And I simply wish to clarify this today, because as the world gets smaller, our Jamat enters into contact with other Murids in other parts of the world. It enters into contact with other Tariqahs in Islam. And there are those amongst you and amongst other Tariqahs who are seeking to understand their own tradition and who are seeking to learn.

I want to make clear today to My Jamat that so long as it is well-understood that the Imam of the Time takes those decisions that are essential to the practice of the Tariqah, there will not be any change in the essence of our practice. There may be change in certain forms that is normal in any Tariqah taking into account the life that we lead. But let it be quite clear that it is the Imam of the Time and only the Imam of the Time who has the authority to give direction in the Tariqah matters."
(Dar-es-Salaam, 16-10-1988)

"... ہماری جماعت کے پاس ایک زندہ امام ہے اور یہ ہماری روایت ہے، یہ ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ زمانے کے امام ہی ہیں جو طریقے سے متعلق معاملات کے بارے میں ہدایت اور رہنمائی دیتے ہیں۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ طریقے سے متعلق معاملات کے بارے میں ہم ہدایت

دینے کو جاری رکھیں گے۔ یہ کہ ہم آپ کو وہ سمت بتائیں گے جو ہمارا یقین ہے کہ یہ وہ سمت ہے جس کی آپ کو پیروی کرنی چاہئے اور یہ کہ دنیا بھر کی جماعت کی طرف دیکھتے ہوئے ہم روایت کے اختلافات کو مدِنظر رکھیں گے اور ہم اُن کا خیال رکھیں گے، ہم اُن کے بارے میں سوچیں گے، ہم اُن کو محبت اور شفقت سے دیکھیں گے۔ لیکن جہاں کہیں ضروری ہوا ہم اس حقیقت کے پیش نظر اُن میں مطابقت پیدا کریں گے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ہماری دنیا تبدیل ہو رہی ہے۔ کیونکہ یہی وہ کام ہے، یہی وہ چیز ہے جو زمانے کے امام کو جماعت کے لئے کرنی ہے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ... یہ واضح ہو کہ یہ زمانے کا امامؑ ہی ہے جس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ طریقے کے معاملات میں ہدایت اور رہنمائی دے۔ اس لئے آپ اپنے آپ کو بھٹکنے نہ دیں اور یہ یقین نہ کریں کہ امام کو خبر نہیں ہے کیونکہ وہ نہ صرف دنیا کے اس حصے میں بلکہ دوسری جگہوں میں جماعت میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے بھی واقف ہے۔ ہمارے طریقے کے بنیادی اصولوں پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ آپ کو اس بات کا پکا یقین ہونا چاہئے۔ ہماری روایت صدیوں سے چلی آرہی ہے۔ یہ ایک باطنی روایت ہے، یہ ایک دانشورانہ روایت ہے اور یہ ہماری اپنی روایت ہے۔ یہ ایک ایسی روایت ہے جو حضرت علی علیہ السلام سے چلی آرہی ہے۔ ان روایات کے اصل جوہر پر سمجھوتہ نہیں ہو سکتا اور آج ہم اس بات کو بالکل واضح کردینا چاہتے ہیں... آج ہم اپنی جماعت کو یہ واضح

طور پر بتانا چاہتے ہیں کہ جب تک یہ اچھی طرح سمجھا جاتا ہے کہ طریقے پر عمل کے بارے میں جو فیصلے کرنے ضروری ہوتے ہیں وہ امام الوقت ہی کرتا ہے تو ہماری روایت کے جوہر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ اُس طرز زندگی کا لحاظ رکھتے ہوئے جس میں ہم رہتے ہیں کچھ صورتوں میں تبدیلی ہوسکتی ہے۔ وہ کسی بھی طریقے میں عام بات ہے۔ لیکن یہ واضح طور پر سمجھنا چاہئے کہ یہ زمانے کا امام ہی ہے اور صرف زمانے کا امام ہی ہے جو طریقے کے معاملات میں ہدایت دینے کا اختیار رکھتا ہے۔"

آئین کا نفاذ :

(I) "It is the desire and Hidayat of Mawlana Hazar Imam that the constitutions presently applicable to the Ismaili Muslims in different countries be superseded and that the Ismaili Muslims worldwide be given this constitution in order better to secure their peace and unity, religious and social welfare, to foster fruitful collaboration between different peoples, to optimise the use of resources, and to enable the Ismaili Muslims to make a valid and meaningful contribution to the improvement of the quality of life of the Ummah and the societies in which they live."

ط : یہ مولانا حاضر امامؑ کی خواہش اور ہدایت ہے کہ موجودہ آئین جو مختلف ممالک میں اسماعیلی مسلمانوں میں رائج ہیں، منسوخ کئے جائیں اور دُنیا بھر کے اسماعیلی مسلمانوں کو یہ آئین دیا جائے تاکہ اُن کے امن، اتحاد، مذہبی اور سماجی بہبود کو محفوظ تر بنایا جائے، مختلف لوگوں کے درمیان بہتر اشتراکِ عمل کو

پروان چڑھایا جائے، وسائل کے استعمال کو پُر اُمید بنایا جائے اور اسماعیلی مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ اُمّت اور جن معاشروں میں وہ رہتے ہیں، کے معیارِ زندگی کو بہتر بنانے میں ایک قابل قدر اور با مقصد کردار ادا کرسکیں۔

اب اس لئے حاضر امامؑ ہونے کی حیثیت سے جو مندرجہ بالا اختیار مجھے حاصل ہے، میں شاہ کریم الحسینی آغا خان (اس آئین کو) نافذ کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتا ہوں اور میں اسے نافذ کرتا ہوں کہ شیعہ امامی اسماعیلی مسلمان، جہاں کہیں بھی وہ رہتے ہوں، اس آئین کی مدت کے لحاظ سے ہمہ وقت اس کے پابند رہیں گے اور اس کے مطابق عمل کریں گے۔

☆

جماعت خانہ اور اس کا کردار

جماعت خانہ کے لفظی معنی ہیں وہ گھر جہاں جماعت جمع ہوتی ہو۔ اسماعیلی اصطلاح میں اس سے مراد جماعت کے وہ مراکز ہیں جو جماعت کی سماجی اور مذہبی سرگرمیوں کے مراکز ہیں۔ ان مراکز میں ہماری وہ عبادت گاہیں بھی شامل ہیں جن میں ہم صبح و شام ذکر وتسبیح اور دیگر مذہبی مناسک انجام دینے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ اسماعیلی طریقے میں جماعت خانوں کا قیام اس وقت عمل میں آیا جب ہمارے پیروں نے برصغیر ہند میں اسماعیلی مذہب کی دعوت کی اور ہمارے آباو اجداد کو اسماعیلی تعلیمات سے روشناس کرا کر انہیں ایک جماعت کی حیثیت سے منظم کر کے جماعت خانوں کو مراکز کی حیثیت سے رائج کیا اور پوری جماعت کی تنظیم کو ان مراکز سے منسلک کر دیا۔

مشہور مؤرخ فرہاد دفتری جماعت خانوں کی تاریخی جڑوں کو تلاش کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں :

> **Pir Sadr-al-Din consolidated and organized the da'wa in India. He is in fact considered to have been the founder of the Nazari Khoja community in the Indian subcontinent... Pir Sadr-al-Din is also reputed to have built the first jamatkhana (literally community house) in Kotri, Sindh, for the religious and communal activities of the Khojas. (page no 179)**

ترجمہ: ”پیر صدرالدینؒ نے ہند میں اسماعیلی دعوت کو مستحکم و منظم کیا۔ درحقیقت انہیں جنوبی ایشیا میں نزاری خواجہ جماعت کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ سندھ میں کوٹری کے مقام پر خواجہ جماعت کی مذہبی اور سماجی سرگرمیوں کے لئے پہلا جماعت خانہ کی تعمیر کو

انہی سے منسوب کیا جاتا ہے۔“

اسماعیلی آئین کے مطابق امامِ زمانؑ کسی بھی مقام کو اسماعیلیوں کے طریقہ کی پریکٹس کے لئے بطور جماعت خانہ مخصوص کر سکتے ہیں۔

اسلام کی طویل تاریخ کے دوران مسجد کے ساتھ ساتھ دیگر عبادتگاہوں کی موجودگی اور مختلف مسالک کی ان سے وابستگی کا حوالہ دیتے ہوئے مولانا حاضر امامؑ نے فرمایا :

> **For many centuries, a prominent feature of the Muslim religious landscape has been the variety of spaces of gathering co-existing harmoniously with the Masjid, which in itself has accommodated a range of diverse institutional spaces for educational, social and reflective purposes. Historically serving communities of different interpretations and spiritual affiliations, these spaces have retained their cultural nomenclatures and characteristics, from Ribat and Zawiyya to Khanaqa and Jamatkhana.**
> (Dubai 13 -12 - 2003)

”کئی صدیوں تک لوگوں کے جمع ہونے کے مختلف نوعیت کے مقامات مسلمانوں کے ارضی منظر کی ایک دائمی خصوصیت رہی ہے جو مسجد کے ساتھ، جس نے خود اپنے اندر تعلیمی، سماجی اور غور و فکر کے مقاصد کیلئے مختلف ادارہ جاتی مقامات کو شامل کر لیا تھا، ہم آہنگ ہو کر اپنا وجود رکھتے تھے۔ تاریخی طور پر مختلف تشریحات اور روحانی الحاق رکھنے والی جماعتوں کی خدمت کرتے ہوئے ان مقامات نے رِباط اور زاویہ سے خانقاہ اور جماعت خانہ تک اپنے نام اور خصوصیات کو قائم رکھا ہے۔“

جماعت خانہ صدیوں سے برِ صغیر کے اسماعیلیوں کی شناخت کی علامت رہا ہے۔ جہاں ان کی مذہبی سرگرمیوں میں یہ ایک بنیادی مقام رکھتا ہے وہاں ان کی دُنیوی سرگرمیوں پر بھی بہت گہرا اثر رکھتا ہے۔ ایک اسماعیلی جماعت خانہ کے بغیر اپنی زندگی کا تصور ادھورا سمجھتا ہے۔ دینِ اسلام میں دین دُنیا سے الگ تھلگ کوئی چیز نہیں اس لئے امامِ زمانؑ اپنے مریدوں کی دُنیوی اور روحانی دونوں زندگیوں کی طرف یکساں توجہ دیتے ہیں اور ان میں توازن برقرار رکھنے کی تلقین فرماتے ہیں۔

جماعت خانہ وہ مراکز ہیں جن کے ذریعے ایک مرید جماعتی اداروں کے توسط سے ہمہ وقت زمانے کے امامؑ کے رابطے میں ہوتا ہے اور ان کی تازہ ترین ہدایات سے فیضیاب ہوتا ہے۔ مریدوں کی دُنیوی اور روحانی فلاح و بہبود کیلئے زمانے کے امامؑ نے جو ادارے قائم کئے ہیں ان کی جماعتوں تک رسائی اور جماعتوں کی ان تک رسائی جماعت خانہ کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

جماعت خانہ کسی بھی علاقے کی مقامی اسماعیلی آبادی کی مذہبی، معاشرتی اور ثقافتی زندگی کیلئے ایک محور کی حیثیت رکھتا ہے۔ جیسا کہ امامِ زمانؑ نے فرمایا:

> "This will be a place of congregation, of order, of peace, of prayer, of hope, of humility, of brotherhood. From it should come forth those thoughts, those sentiments, those attitudes which bind men together, which unite. It has been conceived and will exist in a mood of friendship, courtesy and harmony".
> (26-11-1982, Foundation stone laying ceremony of Burnaby Jamatkhana, Canada)

"یہ (سنٹر) اجتماع، نظم و ضبط، امن، عبادت، حلیمی (اور) برادری کی ایک جگہ ہوگی۔ اس سے وہ خیالات، وہ احساسات (اور) وہ

رویے پیدا ہونے چاہئیں جو انسانوں کو آپس میں باندھتے ہیں اور ملاتے ہیں۔ اسے دوستی، تواضع اور ہم آہنگی کے مزاج میں تصور میں لایا گیا ہے اور انہی میں یہ موجود رہے گا۔"

گزشتہ چند عشروں سے دُنیا کے مختلف حصّوں میں نہایت ہی اعلیٰ معیار کے اسماعیلی مراکز (Ismaili Centres) قائم کئے جا رہے ہیں جو اسماعیلی جماعت کے مراکز ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی فنِ تعمیر کے نہایت ہی اعلیٰ نمونے ہونے کی بناء پر سیاحوں کیلئے بھی توجہ کے مراکز بنتے جا رہے ہیں۔ سیاحوں کو ان عمارات کا باقاعدہ guided tour کروایا جاتا ہے اور ان کا بیشتر حصّہ جماعت کے باہر لوگوں کے استعمال کے لئے بھی دستیاب کیا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں دینِ اسلام کی شیعہ امامی اسماعیلی تشریح اور مریدوں کی روحانی ترقی اور روشنی کی تلاش کی انفرادی جستجو میں زمانے کے امام کی جانب سے جو اعمال بتائے جاتے ہیں ان پر عمل کیلئے جماعت خانہ میں مخصوص عبادت گاہ اور مراقبہ ہال ہوتے ہیں جہاں مرید پُر سکون ماحول میں بغیر کسی خلل کے اپنی روحانی ذمّہ داریاں ادا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان مراکز میں شیعہ امامی اسماعیلی طریقے کی باقاعدہ تعلیم کیلئے درسگاہیں بھی موجود ہوتی ہیں۔

دینِ اسلام میں کئی ایسے طریقے ہیں جو شرعی اعمال کی بجاآوری کے ساتھ ساتھ روحانی ترقی اور باطنی پاکیزگی کیلئے اپنے مرشد کی رہنمائی میں ذکر و مراقبہ اور دیگر مذہبی اعمال انجام دیتے ہیں مثلاً صوفیائے کرام جو اس قسم کے اعمال کیلئے اپنی مخصوص عبادت گاہ بھی رکھتے ہیں جنہیں خانقاہ کہا جاتا ہے۔ ہر مسلک کی اپنی اپنی خانقاہ ہوتی ہے جن میں وہی لوگ جاتے ہیں جو اس خاص مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اور جنہوں نے اس مسلک کے مرشد کی بیعت کی ہو۔

اسی طرح اسماعیلی طریقے میں بھی مرشد اور مرید کے درمیان ایک روحانی رشتہ موجود ہے جو بیعت کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔ مرشد مریدوں کی روحانی ترقی کے لئے مخصوص اعمال مقرر کرتے ہیں جو صرف ان کے مریدوں کے لئے ہوتے ہیں نہ کہ سب کیلئے۔ خانقاہوں کی طرح جماعت خانوں کی عمارت میں بھی ان اعمال کی انجام دہی کیلئے مخصوص جگہ متعین ہے جہاں مرید یہ اعمال انجام دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اعمال سب کے لئے نہیں اس لئے یہاں عوام کو مدعو نہیں کیا جاتا۔ یہ جگہیں مرید اور امام کے درمیان تعلقات کی خلوت گاہوں کی طرح ہیں جن کی نجی اور خانگی حیثیت کا احترام کیا جانا چاہیے۔

☆

باب سوم :

خَلِیْفَةُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ

(زمین پر اللہ کا خلیفہ)

قرآنِ مجید زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کی دائمی موجودگی کا ذکر کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے :

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ (2:30)

"یقیناً میں ہی زمین میں اپنا ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔"

خلیفہ کے معنی نائب یا جانشین ہونے کے ہیں جو کسی اعلیٰ ہستی کی غیر حاضری یا غیر موجودگی میں اس کی نیابت کرے اور اس کے نمائندے کی حیثیت سے اختیارات کا حامل ہو اور فرائض ادا کرتا ہو۔

زیرِ نظر آیت کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس سے روئے زمین پر اللہ کا خلیفہ مقرر کرنا مقصود ہے اور یہ اختیار (authority) ربّ العالمین کا ہے کہ وہ اپنی نیابت کے لئے کسے مقرر فرماتا ہے۔

آیت میں مقام یا مکان کا تعین کیا گیا ہے مگر وقت یا زمان کا ذکر نہیں ملتا کہ کس دور میں اور کتنی مدت تک کے لئے یہ خلیفۃ اللہ کا منصب رہے گا۔ صیغۂ حال کا استعمال جو عربی میں مستقبل کے لئے بھی ہوتا ہے یہ ظاہر کرتا کہ جب تک زمین وجود رکھتی ہے اس پر بسنے والے لوگوں کے درمیان اللہ کی جانب سے ہر دور میں خلیفہ کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرنے والی ایک شخصیت کا تقرر ہوتا رہے گا۔

خلیفہ کی خصوصیات - علم اور نور :

خلیفہ کی اہمیت اور خصوصیت کو سمجھنے میں تخلیق آدم کی تمثیل جو نہایت فصاحت سے قرآنِ مجید میں بیان کی گئی ہے، ہماری مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے :

وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○ قَالَ یَا آدَمُ أَنْبِئْهُم بِأَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَآئِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّيْ أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُوْنَ ○ (2: 30-33)

"اور (یاد کرو وہ وقت) جبکہ تمہارے پروردگار نے سب فرشتوں سے فرمایا کہ یقیناً میں ہی زمین میں اپنا ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔ سب نے کہا کیا تو اس میں ایسے کو (خلیفہ) بنائے گا جو اس میں فساد کرے اور خون گرائے۔ حالانکہ ہم (وہ ہیں) جو تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ اس نے فرمایا بیشک میں بہتر جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور اس (خدا) نے آدم کو سب اسماء کا علم دے دیا۔ پھر ان سب

کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور ارشاد فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان سب کے نام بتاؤ۔ انہوں نے کہا تو پاک ہے۔ ہمیں تو کوئی علم نہیں سوائے اس کے جو کچھ تو نے ہمیں سکھایا۔ بیشک تو بہت ہی جاننے والا (اور) بڑا حکمت والا ہے۔ (اللہ نے) فرمایا اے آدم! تم ان فرشتوں کو ان کے نام بتا دو۔ پس جب آدم نے ان فرشتوں کو اُن کے نام بتلا دیئے تو اللہ نے فرمایا: کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ یقیناً میں آسمانوں اور زمینوں کی چھپی باتوں سے بھی واقف ہوں۔ اور وہ بھی جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں سے زمین پر خلیفہ مقرر کرنے کے ارادے کا اظہار کیا تو ملائکہ نے اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور دلیل دی کہ یہ زمین پر فساد و نفاق کا باعث بنے گا۔ جہاں تک تیری حمد و ثنا بیان کرنے کا تعلق ہے تو ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے رہیں گے۔ اللہ نے یہ استدلال مسترد کر دیا اور فرمایا : اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ "جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔" اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو علم الاسماء عطا کیا اور اس بنیاد پر فرشتوں کی آزمائش کی جس پر وہ پورے نہ اُترے جبکہ حضرت آدمؑ سرخرو ہوئے۔ فرشتوں نے اپنی غلطی تسلیم کی اور شرمندگی کا اظہار کیا۔ یہاں مندرجہ ذیل چند نکات غور طلب ہیں:

حضرت آدم کو جو علم عطا کیا گیا وہ اپنی نوعیت اور جامعیت کے اعتبار سے تمام چیزوں کا احاطہ کرتا ہے اور کوئی بھی شے اس علم کے دائرے سے باہر نہیں۔

اس علم کی نوعیت الہامی ہے اکتسابی نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اسے

انسان اپنی کوشش سے حاصل نہیں کر سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ جو علیم و حکیم ہے جسے چاہتا ہے یہ علم ودیعت کرتا ہے۔ خداوند عالمین خلیفہ مقرر کرنے کے اپنے اختیار میں کسی بھی جانب سے کسی بھی قسم کی مداخلت کو یکسر مسترد کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناقابل قبول ہے۔ اس علم کی بدولت آدم کو فرشتوں پر برتری و فضیلت حاصل ہوئی۔

اس تمثیل کا دوسرا حصّہ بھی انتہائی دلچسپ اور پُر حکمت ہے جس میں فرشتوں کو آدم کے آگے سر بسجود ہونے کا حکم دیا جاتا ہے:

إِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَراً مِّنْ طِیْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِن رُّوْحِیْ فَقَعُوا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَةُ کُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ ○ۙ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسْتَکْبَرْتَ اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ○ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ○ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ ○ۚ وَاِنَّ عَلَیْکَ لَعْنَتِیْٓ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ○ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○ قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ○ۙ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ○ (38:71-81)

”(وہ وقت یاد کرو) جبکہ تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا یقیناً میں مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔ پس جب میں اُسے درست کر چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کیلئے فوراً سجدہ کرنے والے ہو کر گر پڑنا۔ پس سب کے

سب فرشتوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اُس نے تکبّر کیا اور وہ کافروں میں سے ہوگیا۔ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) اے ابلیس کس چیز نے تجھے اس کو سجدہ کرنے سے روکا جسے میرے دونوں ہاتھوں نے بنایا؟ کیا تو نے تکبّر کیا یا تو عالین (بلند مرتبہ والوں) میں سے تھا؟ اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس (آدم) کو مٹی سے پیدا کیا۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا پس تو فوراً اس میں سے نکل جا، یقیناً تو مردود ہے۔ اور تجھ پر یقیناً قیامت کے دن تک میری لعنت ہے۔ وہ بولا اے میرے پروردگار! پھر تو مجھے اس دن تک مہلت دے، جبکہ لوگ (زندہ کر کے) اُٹھائے جائیں گے۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا، پس یقیناً تو ایک معلوم وقت کے دن تک مہلت دیئے ہوؤں میں سے ہے۔“

مندرجہ بالا آیات میں ربّ العالمین اور ابلیس کے درمیان مکالمہ خلیفۂ خدا کی فضیلت کے بارے میں ہمارے تصورات کو مزید واضح کرتا ہے۔ اللہ ربّ العزت ملائکہ کو حکم دیتا ہے کہ میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ جب میں اُسے درست کر لوں، نوک پلک سنوار لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اُس (آدم) کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ تمام فرشتے اس حکمِ خداوندی کی اطاعت کرتے ہوئے سجدہ کرتے ہیں سوائے ابلیس کے۔ اللہ تعالیٰ ابلیس سے پوچھتے ہیں، اے ابلیس تو نے اُس (آدم) کو سجدہ کرنے سے انکار کیوں کیا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا؟ کیا تو نے تکبّر کیا؟ ابلیس کہتا ہے میں اس (آدم) سے بہتر ہوں۔ مجھے آگ سے خلق کیا گیا ہے اور آدم کو مٹی سے۔ یہ جواب

خدا کے غیظ و غضب کو دعوت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُسے حکم دیتا ہے کہ یہاں سے نکل جا، قیامت تک تو ملعون رہے گا۔ ابلیس ایک عرض کرتا ہے کہ اے میرے ربّ مجھے اُس دن تک کی مہلت دے جب لوگوں کو دوبارہ بلایا جائے گا، میں تیرے بندوں کو گمراہ کرتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا تجھے مہلت دی جاتی ہے لیکن میرے نیک بندوں کو تو نہیں بہکا سکے گا۔

یہاں چند باتیں قابل غور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مٹی اور گارے سے بنائے ہوئے بشر میں اپنی روح پھونکی اور اس کے بعد فرشتوں کو سجدے کا حکم ہوا۔ اللہ چونکہ سراپا نور ہے (اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط) لہٰذا وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ کی یہ تشریح ہو سکتی ہے کہ خلیفہ کو خدائی نور کا مظہر بنایا گیا اور اس نور کا حامل ہونے کی وجہ سے آدم کو تمام مخلوقات پر فضیلت و بزرگی حاصل ہوئی اور مسجودِ ملائک کا مقام ملا۔

ابلیس توحید کا قائل تھا۔ اللہ کی ربوبیت اور اس کے خالق ہونے پر یقین رکھتا تھا جب ہی تو خدا کو اے میرے ربّ کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ فرشتوں پر ایمان تھا، قیامت پر ایمان رکھتا تھا اور اسی لئے يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ تک کی مہلت مانگی گئی لیکن خلیفۂ خدا کے مقام اور اختیارات کو تسلیم کرنے سے انکار اتنا بڑا گناہ تھا جس پر کوئی سمجھوتہ (compromise) ممکن نہ تھا اور ابلیس رہتی دُنیا تک ملعون بن گیا۔

ان آیات میں ایک مرتبہ پھر دوٹوک انداز میں اس بات کا اعادہ کیا گیا ہے کہ خلیفہ جو علم اور نور جیسی اعلیٰ خدائی صفات کا مظہر ہوتا ہے اُسے مقرر کرنے کا اختیار کلی طور پر ربّ العالمین کا ہے اور اس میں کسی کو شریک نہیں کیا جا سکتا۔

خلیفۂ خدا کے اختیارات :

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیفہ کو نور اور علم جیسی اعلیٰ و ارفع صفات ودیعت کیں، مسجود ملائک کا مقام دیا اور تمام مخلوقات پر اس کی فضیلت و برتری کو مسلم کر دیا۔ اس مظہرِ نورِ خدا کی پیروی و اتباع کو اصولِ دین اور اہلِ زمین کیلئے نجات کا باعث قرار دیا گیا :

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ O (2:38)

"ہم نے کہا تم سب کے سب اس سے اکٹھے اتر پڑو۔ پس جب تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے، تو اُن پر نہ کوئی خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

ہادیانِ برحق جو انبیاء ، رُسل اور شیعہ عقیدے کے مطابق ائمۂ طاہرین کے ناموں سے موسوم ہیں، ہدایت و رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ ان برگزیدہ ہستیوں کو ربّ العالمین نے زمین پر اپنے نائب کے طور پر مکمل اختیارات کا حامل بنایا۔ پیروکاروں کو نہ صرف ان کی مکمل اور غیر مشروط تابعداری کا حکم دیا گیا بلکہ رسولؐ کی اطاعت کو اپنی اطاعت، رسولؐ کے عمل کو اپنا عمل، رسولؐ کی بیعت کو اپنی بیعت اور رسولؐ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا، ذیل میں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں :

وَ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ق وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج (7:59)

"اور جو کچھ رسول نے تمہیں دیا پس اسے لے لو اور جس سے اس نے تمہیں روک دیا پس رُک جاؤ۔"

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ؕ (33:36)

"اور کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کے لئے یہ مناسب نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر میں کوئی فیصلہ صادر کرے تو اس امر میں ان کو کوئی اختیار باقی رہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے وہ کھلی گمراہی میں جا پڑا۔"

آپ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت قرار دی۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (4:80)

" جو کوئی رسول کی اطاعت کریگا اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔"

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ (10:8)

"یقیناً جو تیری بیعت کرتے ہیں وہ بلا شبہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔"

وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ (8:17)

"اور تو نے کنکری نہیں پھینکی تھی جبکہ تو نے پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔"

☆

باب چہارم:

منصبِ امامت

حضرت امام محمد الباقر علیہ السّلام کی تعلیمات کی روشنی میں امامت خداوند عالمین کی جانب سے عطا کردہ منصب ہے۔ اپنے اس موقف کی بنیاد وہ قرآنِ پاک کی بہت سی آیات پر رکھتے ہیں اور رسولِ پاک سے منسوب متعدد روایات و احادیث کا تذکرہ بھی کرتے ہیں جن سے ان کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔ ان میں سے یہاں ہم چند کا تذکرہ کرتے ہیں۔

آیۂ ولایت:

حضرت امام محمد الباقر علیہ السّلام تصورِ امامت کو سمجھنے کے لئے سورة المآئدہ کی 55 ویں آیت کو بنیادی و مرکزی حیثیت دیتے ہیں جو آیۂ ولایت کے نام سے مشہور ہے، ارشاد ہے:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ (5:55)

ترجمہ 1: "ماسوا اس کے نہیں ہے کہ تمہارا سرپرست اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لا چکے، صلوٰة قائم کرتے اور زکوٰة دیتے ہیں، اس حال میں کہ وہ رکوع کرنے والے ہیں۔"

ترجمہ 2: "تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے کہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰة دیتے ہیں اور اللہ کے حضور میں جھکے ہوئے ہیں۔" (مترجم: احمد رضا خان بریلوی)

اس آیت کی تشریح و ترجمہ مختلف مفسرین اپنے نظریاتی رجحان کے مطابق مختلف انداز میں کرتے ہیں جیسا کہ اوپر دیئے گئے دو تراجم سے ظاہر ہوتا ہے۔ دونوں میں فرق حرف ''و'' کے استعمال کی نوعیت پر ہے۔ واوَ جوڑنے والے لفظ (conjunction) کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے جسے واوَ العطف کہتے ہیں جبکہ واوَ کسی کیفیت کو بیان کرنے کیلئے بھی مستعمل ہے اور اُسے واوَالحال کہا جاتا ہے۔ واوَالحال کو نظر انداز کرنے کی صورت میں وہ تمام لوگ جو ایمان لائے ولایت کے زمرے میں شامل ہو جائیں گے جبکہ واوَ الحال کا استعمال ولایہ کو ان لوگوں تک مخصوص کرتا ہے جو رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

اس آیۂ مبارکہ کی شانِ نزول کے متعلق اگرچہ مفسرین مختلف خیالات رکھتے ہیں تاہم غالب رائے یہی ہے کہ یہ آیت حضرت علی مرتضیٰؑ کی شان میں نازل ہوئی جنہوں نے عین رکوع کی حالت میں اپنی انگوٹھی سائل کی طرف اُچھال دی جس نے صدقہ کا تقاضا کیا تھا۔

حضرت امام محمد الباقرؑ آیۂ ولایہ کی شانِ نزول کے بارے میں وضاحت کرتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے وقت حضرت محمد صلعم یہودیوں کے ایک گروہ کے ساتھ تشریف فرما تھے جن میں عبداللہ بن السّلام بھی موجود تھے۔ جوں ہی یہ آیت نازل ہوئی رسولؐ اُٹھ کھڑے ہوئے اور مسجدِ (نبوی) کی طرف چل دیئے جہاں ان کی ملاقات ایک سائل (فقیر) سے ہوئی۔ رسولؐ کے استفسار کرنے پر کہ کیا اُسے کسی نے خیرات میں کچھ دیا ہے سائل نے حضرت علیؑ کی جانب اشارہ کیا جو ابھی تک رکوع کی حالت میں تھے اور اپنی نماز میں مشغول تھے۔

ایک سوال یہ اُٹھایا جاتا ہے کہ جب آیت میں جمع کا صیغہ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَ ھُمْ رٰکِعُوْنَ استعمال ہوا ہے تو یہ کسی فردِ

واحد (حضرت علیؑ) کیلئے کیسے مخصوص ہو سکتا ہے؟ شیعہ مفکرین و مفسرین اس سلسلے میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالٰی نے خود اپنے لئے جمع کا صیغہ (plural form) استعمال کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے :

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ○ (50:16)

''اور ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔''

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْکُمْ وَ لٰکِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ○ (56:85)

''اور ہم تم سے اس کی طرف زیادہ نزدیک ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں۔''

اسی طرح کی اور بھی مثالیں ملتی ہیں :

اَلَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ (3:168)

''وہ لوگ جو خود تو (گھر میں) بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں سے کہنے لگے کہ اگر وہ ہماری اطاعت کرتے تو قتل نہ ہوتے۔ (اے رسول) کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی جانوں سے ہی موت کو ٹال دو۔''

اس آیت کے بارے میں مفسرین کا عمومی اتفاق ہے کہ یہ منافقین کے سردار ابو عبداللہ بن اُبی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ اس میں جمع کا صیغہ ہے۔ مزید یہ کہ آیۂ ولایہ میں ولی کا لفظ آیا ہے نہ کہ اولیاء کا جو اس نقطۂ نظر کو تقویت پہنچاتا ہے کہ اس سے مراد فردِ واحد ہے۔

آیۂ اطاعت :

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ (4:59)

"اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور (ان کی) جو تم میں (اللہ کے) امر والے ہیں۔ پس اگر تم کسی بات میں جھگڑا کرو تو اُسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی سب سے بہتر اور اچھی تاویل ہے۔"

مذکورہ بالا آیت میں مومنین کو اللہ کی اطاعت، رسول کی اطاعت اور اولواالامر کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اولواالامر کون ہیں اس سلسلے میں مختلف نقطۂ نظر موجود رہے ہیں۔ ایک طبقے کا خیال ہے کہ اولواالامر سے مراد حکمران ہیں جبکہ دوسرے مفسرین اس سے مراد علمائے کرام لیتے ہیں۔ شیعہ مفسرین کی متفقہ رائے ہے کہ اولواالامر سے مراد آنحضرت صلعم کے اہل بیت سے ہونے والے ائمۂ کرام ہیں جن کی اطاعت و فرمانبرداری مومنین پر لازم قرار دی گئی ہے۔ اس آیت کی مختلف تشریحات کا تجزیہ کریں تو کئی سوال ذہن میں آتے ہیں۔

اللہ، رسول اور اولوا الامر کی اطاعت یکساں طور پر فرض قرار دی گئی ہے اور کسی بھی قسم کی درجہ بندی بظاہر نظر نہیں آتی یعنی اولوا الامر کی فرمانبرداری مومنین پر اس طرح واجب ہے جس طرح اللہ اور رسولؐ کی۔ انبیائے کرام کے احکامات کے بارے میں یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ وہ کسی بھی قسم کی غلطی سے مبرا ہوتے ہیں۔ کیا کسی حکمران کے بارے میں بھی یہ بات یقین سے کہہ سکتے

ہیں کہ اس کے احکامات بھی اُسی طرح انسانی غلطی سے پاک ہوں گے؟ کیا تاریخ میں کسی حکمران نے گناہوں یا غلطی سے مبرا ہونے کا دعویٰ کیا ہے تاکہ اس کے فیصلوں کی اس طرح بن وعن پیروی کی جائے جیسا کہ خدا و رسول کی ؟

قرآنِ مجید کا پیغام آفاقی نوعیت کا ہے جو ہر دور کیلئے قابل عمل ہے۔ موجودہ دور میں عالمی سیاسی منظر نامے میں nation states کے وجود میں آنے کے بعد اس آیت پر عمل درآمد کس طرح ہوگا اور اس کی صورتِ حال کیا ہوگی؟ آج آزاد مسلم ریاستوں کی تعداد 60 کے قریب ہے۔ کیا ان تمام مسلم ممالک کے سربراہان اولواالامر کے مرتبے کے حامل سمجھے جائیں گے جو ایک دوسرے سے مخاصمت و سیاسی رقابت بھی رکھتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ایک دوسرے سے برسرِ پیکار بھی ہوتے رہتے ہیں؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو ان 60 صاحبانِ امر کے فیصلے اگر ایک دوسرے سے متصادم و متضاد ہوں تو مومنین پر کس کی اطاعت واجب قرار دی جائے گی؟

ذرائع آمد و رفت کی ترقی نے جغرافیائی سرحدوں کو مٹا دیا ہے۔ مسلمانوں نے بہتر معاشی مواقع حاصل کرنے کے لئے اُن ممالک میں رہائش اختیار کی ہے جہاں کی اکثریت غیر مسلم ہے اور دوسرے مذاہب سے تعلق رکھتی ہے اور حکومتی سربراہ بھی غیر مسلم ہیں۔ ان حالات میں کیا اس قرآنی حکم کو ساقط اور ناقابلِ عمل سمجھا جائے گا؟ نعوذباللہ کیا مسلمان اور مومنین غیر مسلم حکمران کی پیروی اس طرح کریں گے جیسے خدا و رسول کی؟

کم و بیش یہی کیفیت علمائے کرام کو اولواالامر کی حیثیت دینے میں ہے۔ مختلف مسلک سے تعلق رکھنے والے معزز علماء بعض اوقات اختلاف کے اظہار میں اس حد تک آگے بڑھ جاتے ہیں کہ دوسرے مسالک کو خارج از اسلام قرار

دیتے ہیں اور دوسرے مسلمان بھائیوں کے ایمان کے منصف (judges) بن کر فتوے بھی جاری کرتے ہیں۔

ایک عملی پیچیدگی یہ بھی درپیش ہے کہ ان علماء اور حکمران کا تعین کس طرح ہوگا اور کون کرے گا جو اولواالامر سمجھے جائیں؟

پس اگر اولواالامر کا تقرر لوگوں کے باہم مشوروں سے ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے امر اور اختیارات کا سرچشمہ اللہ کا حکم نہیں بلکہ عوام ہوں گے جو جب چاہیں اُسے اس عہدے سے معزول کرسکتے ہیں۔ اس طرح حقیقی اولواالامر خود عوام ہوئے یعنی عوام کو عوام کی پیروی کا حکم دیا گیا جو عقل کے نزدیک قطعاً قابلِ قبول نہیں۔ عوام کا اپنا اولواالامر مقرر کرنا ایسا ہی ہے جیسا قرآنِ حکیم کا یہ فیصلہ :

اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰىؕ (53:23)

”یہ نہیں ہیں مگر نام جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے بارے میں کوئی سند نہیں اُتاری۔ وہ نہیں اتباع کرتے ہیں مگر گمان کا اور جن کو اُن کے نفس چاہتے ہیں۔ اور یقیناً اُن کے پاس اُن کے پروردگار کی طرف سے ہدایت آچکی ہے۔“

پس جس طرح سو گائے یا بکریاں آپس میں صلاح مشورے سے اپنے ہی میں سے کسی کو اپنا چرواہا مقرر نہیں کرسکتیں اور جس طرح سو دیوانے باہم مشورے سے اپنے ہی میں سے کسی کو اپنا معلّم نہیں بناسکتے اسی طرح عوام اپنے

مشورے سے اپنے ہی میں سے کسی کو اپنا اولواالامر مقرر نہیں کر سکتے کیونکہ ”خفتہ را خفتہ کَی کند بیدار“ یعنی جو خود سویا ہوا ہے وہ دوسروں کو کس طرح بیدار کرسکتا ہے؟ جب تمام بنی نوع انسان کی ہدایت اللہ کی طرف سے آتی ہے تو پھر انسان اپنا ہادی خود کیسے مقرر کرسکتا ہے؟ پیغمبرؐ اور امامؑ اس لئے ہادی اور امر کے مالک ہیں کہ انہیں روح القدس سے تائید حاصل ہوتی ہے جو عام انسانوں کو حاصل نہیں ہوتی۔

شیعہ مکتبۂ فکر کے مطابق اولواالامر زمانے کے امام ہیں جو بذریعۂ نص مقرر ہوتے ہیں۔ یہ وہ مقرب ہستیاں ہیں جن کا تعلق اہل بیت سے ہے، جن کی پاکیزگی و عصمت کی شہادت قرآن سے ملتی ہے اور جنہیں علم و حکمت عطا کی گئی اور وارثِ کتاب بنایا گیا ہے۔ حضرت امام سلطان محمد شاہؑ کے مندرجہ ذیل خیالات کو یہاں درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ اولواالامر کے تصور کو سمجھنے میں ہمیں مدد مل سکے :

It is more than ever necessary that the foundation of Imami Ismailism should be understood by the new generation of Ismailis throughout the world. If those who believe that Hazrat Aly was the rightful successor of the Prophet to be the 'Ulu'l-amr Menkom, must accept the principle of that succession for the same reasons they accept in the case of Hazrat Aly his rightful Imam descendants.

The Imami Ismailis maintain that the position of the 'Ulu'l-amr Menkom, never dies out and this succession goes on till the day of judgment on earth."

(Aga Khan III, Selected speeches and writings of Sir Sultan Muhammad Shah, by K.K. Aziz, page 1416)

"یہ اب پہلے سے کہیں زیادہ ضروری ہے کہ پوری دنیا میں اسماعیلیوں کی نئی نسل امامی اسماعیلیزم کی بنیاد کو سمجھے۔ وہ لوگ جو حضرت علی علیہ السلام کو رسول اللہ صلعم کے صحیح جانشین کی حیثیت سے اولواالامر منکم تسلیم کرتے ہیں تو جس سبب سے وہ حضرت علی علیہ السلام کو تسلیم کرتے ہیں جانشینی کے اُسی اُصول کی بنیاد پر انہیں ان کی نسل میں امام کو تسلیم کرنا چاہئے۔ امامی اسماعیلیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اولواالامر منکم کا منصب کبھی ختم نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ رُوئے زمین پر روزِ قیامت تک جاری رہے گا۔"

آیۂ مودۃ :

حضرت امام محمد الباقر علیہ السّلام نہ صرف ائمۂ طاہرین کی اطاعت جو اولواالامر ہیں، مومنین پر واجب سمجھتے ہیں بلکہ ان کیلئے محبت و عقیدت بھی عبادت گزاروں کیلئے ضروری خیال کرتے ہیں اور سند کے طور پر آیۂ مودۃ کا حوالہ دیتے ہیں :

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى ؕ وَ مَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝ (42:23)

"(اے رسولؐ) کہہ دو کہ میں اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا، سوائے اس کے کہ میرے اقرباء (اہل بیت) سے محبت رکھو۔ اور جو کوئی نیکی کمائے گا ہم اس کیلئے اس میں نیکی زیادہ کریں گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑا قدر دان ہے۔"

امام محمد الباقرؑ کے دور میں ہی آیۂ مبارکہ کی مختلف تشریحات کی جاتی رہیں۔ ان کا ایک سرسری جائزہ یہاں پیش کیا جاتا ہے:

شیعہ مفسرین اس آیۂ مبارکہ کو اہل بیتِ رسولؐ سے مخصوص کرتے ہیں اور ان کی محبت (حبِّ اہلِ بیتؑ) کو حضرت محمدؐ سے عقیدت کا اظہار اور پیمانہ مراد لیتے ہیں۔ دوسرا گروہ اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ اس آیت کو سورہ 34 کی آیت 47 نے منسوخ کر دیا ہے جس کا متن درج ذیل ہے :

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ ۝ (34:47)

"(اے رسولؐ) کہہ دو میں نے تم سے جو اجر مانگا ہے وہ تمہارے ہی لئے ہے۔ میرا اجر تو صرف اللہ تعالیٰ کے ذمّہ ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔"

حضرت امام محمد الباقر علیہ السّلام اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں دو صورتیں ممکن ہیں کیونکہ دونوں آیات کے وقتِ نزول کے بارے میں حتمی شہادت میسر نہیں۔ اگر یہ آیت آیۂ مودۃ سے پہلے نازل ہوئی ہے تو وہ بعد میں نازل ہونے والے پیغام کو کس طرح منسوخ کر سکتی ہے؟ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس کا نزول آیۂ مودۃ کے بعد ہوا ہو۔ اس صورت میں یہ آیۂ مودۃ میں دیئے گئے پیغام کی اہمیت و افادیت کو مزید بڑھا دیتی ہے کہ اہل بیت سے محبت مومنین کے اپنے مفاد میں ہے۔ اس سے آنحضرت صلعم کی فضیلت و بزرگی پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دُرودِ شریف کی مثال لیں تو امام محمد الباقر علیہ السّلام کی رائے زیادہ قابلِ فہم نظر آتی ہے۔ دُرودِ شریف میں ہم حضرت محمدؐ اور ان کی آل پر اللہ تعالیٰ کی رحمت و سلامتی کی التجا کرتے ہیں اور اس کا پڑھنا ہر نماز میں بنیادی اور لازمی خیال کیا جاتا ہے۔ حبیبِ خدا کو تمام عالمین کیلئے باعثِ رحمت قرار دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمت للعالمین کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ حضور

صلعم مجسم رحمت ہوتے ہوئے بھی کیا ہم گنہگاروں کی جانب سے رحمت کی دُعا کی احتیاج رکھتے ہیں؟ یقیناً نہیں، بلکہ دُرودِ پاک کا پڑھنا بذاتِ خود مومنین کیلئے رحمت و بخشش کے حصول کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

تیسرا نقطۂ نظر آیۂ مودۃ کے حوالے سے یہ موجود رہا کہ زیرِ بحث آیت میں القربیٰ سے مراد تمام عرب ہیں اور کیونکہ رسولؐ کی ان بہت سے قبائل سے رشتہ داری تھی لہٰذا ان کی مودۃ کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ استدلال یوں کمزور دکھائی دیتا ہے کہ آیت میں اہلِ ایمان کو مخاطب کیا گیا ہے اور عرب و عجم کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی۔ دوم یہ کہ عربوں میں آنحضرت کی رسالت پر ایمان رکھنے والے اور نہ رکھنے والے ہر دو قسم کے لوگ موجود تھے۔ یہ بات عقل و منطق کے تقاضوں سے بعید معلوم ہوتی ہے کہ اُن لوگوں کو جو نہ صرف یہ کہ آنحضرتؐ کی رسالت کے سرے سے قائل ہی نہیں بلکہ انہوں نے رسولِ خداؐ کو اذیت بھی پہنچائی، ان کی محبت مومنین پر فرض قرار دی جائے۔

حضرت امام محمد الباقر علیہ السّلام کے دور میں ایک تشریح یہ بھی رائج رہی کہ درحقیقت آیت کا مقصد اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ذریعے اس کی قربت حاصل کرنا ہے لیکن اطاعت، اتباع یا اس کے ہم معنی کسی بھی لفظ کی آیت میں غیر موجودگی سے یہ موقف کچھ سطحی سا محسوس ہوتا ہے اور اگر اسے تسلیم کیا جائے تو ''اجر'' اور'' مودۃ'' کے الفاظ غیر ضروری اور بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر یہ قیاس کرنا مناسب نہیں لگتا کہ علیم و حکیم ہوتے ہوئے غیر ضروری الفاظ اپنے کلام میں استعمال کرے جس سے اس عظیم پیغام کی فصاحت و بلاغت پر حرف آتا ہو۔

نور اللہ :

حضرت امام محمد الباقر علیہ السّلام اللہ کے نور یعنی اللہ کی جانب سے نازل کردہ نور کو امامت سے منسوب قرار دیتے ہیں جن پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ (64:8)

''پس تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس نور پر ایمان لاؤ جسے ہم نے نازل کیا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کی اللہ تعالیٰ خوب خبر رکھنے والا ہے۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (57:28)

''اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول پر ایمان لاتے رہو۔ وہ تمہیں اپنی رحمت سے دوہرا حصہ دے گا اور تمہارے لئے ایک نور قرار دے گا جس کے ذریعے تم چلو گے اور تمہاری مغفرت کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔''

ائمۂ طاہرین وہ نور ہیں جو لوگوں کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتے ہیں اور مومنین کے دلوں کو نور سے روشن (منوّر) کر دیتے ہیں اور یہ دن کے وقت پڑنے والی سورج کی کرنوں سے زیادہ روشن ہے۔ اس سلسلے میں

آپؑ سورہ الانعام کی 122 ویں آیت کا بھی ذکر کرتے ہیں :

اَوَ مَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ کَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ کَذٰلِکَ زُیِّنَ لِلْکٰفِرِیْنَ مَا کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ O (6:122)

"کیا وہ شخص جو مردہ تھا پس ہم نے اُسے زندہ کیا اور اُس کے لئے ایک نور قرار دیا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں (پڑا) ہو، جن سے وہ نکل ہی نہ سکے؟ اسی طرح کافروں کیلئے ان اعمال کو جو وہ کرتے رہے زینت دے دی گئی۔"

حضرت امام محمد الباقر علیہ السّلام اس آیت کی تشریح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مردہ شخص سے مراد وہ لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے جبکہ نور جو لوگوں کے درمیان چلتا ہے امام ہیں جو ہدایت و رہنمائی فراہم کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اندھیروں میں پڑے ہیں جس سے وہ نکل ہی نہ سکیں، سے اُن لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو نورِ امامت کی معرفت سے محروم ہیں۔

روئے زمین پر خدا کے نور کی موجودگی کے تصور کو سمجھنے میں درج ذیل آیت مزید رہنمائی کر سکتی ہے :

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ یَاْبَی اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ O (9:32)

"وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے مونہوں (کی پھونکوں) سے بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ کو سوائے اس کے کچھ منظور نہیں کہ وہ اپنے نور کو پورا کرے اگرچہ کافر اُسے ناپسند کریں۔"

اس آیت کی پہلی حکمت یہ ہے کہ اس سے یہ ظاہر ہے کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا نور موجود ہے جسے کفار بجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اس کی دوسری حکمت یہ ہے کہ اس سے کوئی ظاہری نور مراد نہیں اور نہ ہی اُسے بجھانا ظاہری نوعیت کا ہے کیونکہ دُنیا میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کہیں کوئی نور روشن ہو جو اپنے آپ کو اللہ کا نور کہتا ہو اور اس کے چہار اطراف سے دنیا کے مانے ہوئے کفار اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ اپنے مونہوں سے پھونک مار کر اُسے بجھانے کی کوشش کر رہے ہوں اور وہ نہ بجھ رہا ہو۔ بلکہ حقیقت یہ ہے اور اس پر سب کا عمومی اتفاق ہے کہ اس نور سے مراد حضور اکرمؐ کی ذات ہے جسے کفار بزورِ شمشیر ختم کرنے یا اپنے جھوٹے دلائل سے جھٹلانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اس تشبیہ کی کوئی اور توضیح نہیں ہو سکتی۔

اس آیت کی تیسری اور اہم حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ اعلان فرماتا ہے کہ وہ اس نور کو بجھنے نہیں دے گا بلکہ اس کا ظہور روئے زمین پر کامل ہونے دے گا۔ کیا اس امر میں کسی مسلم کو شک ہے کہ اللہ کا نور زمین پر ہمیشہ کے لئے موجود رہے گا اور کبھی نہیں بجھے گا؟ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ نور آج بھی دُنیا میں موجود ہے۔ کیا کوئی شخص اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے کہ دورِ نبوی کی طرح اللہ کا نور آج بھی دنیا میں موجود ہے؟ اگر وہ انکار کرتا ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اس خدائی وعدے کو جھٹلاتا ہے کہ وہ اپنے نور کو زمین پر کبھی بجھنے نہیں دے گا۔ پس اگر اللہ کا وعدہ سچا ہے تو پھر کسی کو اس بات پر کیوں اعتراض ہو کہ شیعہ مسلمان قرآن و حدیث کی روشنی میں آنحضرت کی اولاد میں ہونے والے ائمّہ علیہم السّلام کو زمین پر اللہ تعالیٰ کا نہ بجھنے والا نور تصوّر کریں اور اُسی کو روئے زمین پر موجود اللہ تعالیٰ کا دائمی خلیفہ سمجھ کر اس کی طرف اپنی حاجت روائی کے لئے رجوع کریں؟

آیۂ تطہیر :

نور کی موجودگی ائمۂ کرام کو معصوم عنِ الخطا بنا دیتی ہے یعنی خداوند عالمین نے انہیں ہر قسم کے گناہ یا غلطی سے پاک اور مطہر کر دیا ہے۔ اس تصور کو عصمت کا تصور کہتے ہیں اور آیۂ تطہیر سے اس کی تائید ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کو بُرائی سے پاک و پاکیزہ کر دینے کے اپنے ارادے کا اظہار فرمایا ہے :

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۚ O (33:33)

"تحقیق اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی بُرائیوں کو دور رکھے اور تمہیں اس طرح پاک کر دے جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔"

اس بات پر عمومی اتفاق موجود ہے کہ یہ آیت حضرت محمدؐ، حضرت علی، حضرت بی بی فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین علیہم السّلام کے حوالے سے نازل ہوئی اور اہل بیت سے مراد یہی پانچ ہستیاں ہیں اور انہی کیلئے پنجتن پاک کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔ بعض لوگ اس سے آنحضرت کی ازواج مراد لیتے ہیں۔ حضرت امام زین العابدینؑ اس رائے کو کم علمی و کم فہمی پر مبنی قرار دیتے ہوئے یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ اگر اس سے آنحضرتؐ کی ازواج مراد ہوتیں تو مؤنث کا صیغہ استعمال ہوتا اور عبارت یوں بنتی: لِیُذْهِبَ عَنْكُنَّ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُنَّ تَطْهِیْرًا۔ کیونکہ عربی میں مؤنث کیلئے لفظ "کُنَّ" رائج ہے نہ کہ "کم"۔ تصورِ اہل بیت سے متعلق وضاحت کیلئے دو مستند

روایات، جن میں ایک کی بنیاد تاریخی شواہد میں اور دوسری کی بنیاد قرآنِ پاک میں ہے، یہاں غور و فکر کیلئے پیش کی جاتی ہیں۔

تاریخ میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ آیۂ تطہیر کا نزول آنحضرت صلعم کی زوجہ محترمہ اُمِ سلمہ کے گھر میں ہوا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت حسنؑ و حسینؑ کو بُلایا اور انہیں اپنی چادر میں لے لیا اور فرمایا کہ اے اللہ! یہ ہیں میرے اہل بیت جس کے بارے میں تو نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے۔ یا اللہ تو ان سے رِجس (ناپاکی) کو دور رکھ اور ان کو پاک رکھ جیسا کہ پاک رکھنے کا حق ہے۔ اس پر اُمِ سلمہ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میں بھی ان میں شامل ہو سکتی ہوں؟ آپ نے نفی میں جواب دیا اور فرمایا: لیکن خوشخبری ہو کہ تو نیکی پر ہے۔

دوسرا تاریخی واقعہ مباہلہ کا ہے۔ جب نجران کے عیسائی پادریوں کا ایک وفد حضور صلعم سے ان کی نبوت کی صداقت کے بارے میں مناظرہ کرنے آیا اور تمام تر دلائل اور بحث و مباحثہ کے باوجود وہ اپنی ضد پر اَڑے رہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو مشورہ دیا کہ وہ ان عیسائیوں کو مباہلے کی دعوت دیں اور اس کا طریقۂ کار بھی قرآنِ مجید میں بیان فرما دیا جو آیۂ مباہلہ کے نام سے موسوم ہے :

فَمَنْ حَآجَّكَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَی الْكٰذِبِیْنَ O

(3:61)

"پس بعد اس کے کہ تیرے پاس علم آچکا ہے (عیسیٰؑ کے بارے میں) کوئی جھگڑا کرے تو کہدے کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو

اور تمہارے بیٹوں کو، اور اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے نفسوں کو اور تمہارے نفسوں کو۔ پھر ہم خدا کی طرف رجوع کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دیں۔"

جب آنحضرت صلعم نے ان کو اس حکمِ خداوندی سے آگاہ کیا تو وہ لوگ مشورہ کرنے کیلئے اپنی اقامت گاہ پر چلے گئے۔ وہاں ان کے سرداروں "سیّد" "اہتم" اور "عاقب" نے کہا کہ اگر محمدؐ اپنی قوم کو لاکر ہم سے مباہلہ کریں تو ہم ضرور مباہلہ کریں گے کیونکہ یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ وہ سچا نبی (نعوذ باللہ) نہیں ہے۔ اور اگر وہ مباہلہ کے لئے اپنے اہلِ بیت کو ساتھ لائے تو ہم ہرگز مباہلہ نہیں کریں گے کیونکہ اس صورت میں وہ یقیناً سچا نبی ہوگا۔ پس جب صبح ہوئی تو وہ آنحضرتؐ کے پاس آئے درآنحالیکہ آپؐ کے ساتھ جناب امیرالمومنین، فاطمۃ الزہرا، حسن اور حسین علیہم السّلام تھے۔ نصاریٰ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں جو آپؐ کے ساتھ ہیں؟ کہا کہ ایک ان کے چچا زاد بھائی، ان کے وصی اور داماد علی ابن ابی طالبؑ ہیں، یہ ان کی دختر فاطمۃ الزہرا ہیں اور یہ دونوں ان کے بیٹے حسن اور حسین علیہم السّلام ہیں۔ پس وہ لوگ الگ ہو گئے اور آنحضرتؐ سے کہا کہ ہمیں مباہلہ سے معاف فرمائیں۔ ہم آپؐ سے صلح چاہتے ہیں۔

(تفسیرالمتقین، صفحہ 74)

ان حوالوں سے یہ تصور معتبر و مستند ہو جاتا ہے کہ ائمۂ طاہرین جو اہلِ بیتِ رسول ہیں معصوم عن الخطا ہیں۔ تصورِ عصمت کے ساتھ ساتھ حضرت امام محمد الباقر علیہ السّلام امام کے شافع (intercessor) ہونے کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ج (17:71)

"جس روز ہم تمام لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔"

مندرجہ بالا آیت کے تجزیے سے قیامت تک ہر دور میں اماموں کی موجودگی اور ان کے ذریعے مومنین کو شفاعت حاصل کرنے کی ترغیب و تعلیم ثابت ہوتی ہے۔ حضرت امام محمد الباقرؑ فرماتے ہیں کہ جب اس آیت کا نزول ہوا تو لوگوں نے رسولِ خداؐ سے دریافت کیا کہ یا نبی کیا آپ تمام لوگوں کے امام نہیں ؟ حضور نے جواب دیا کہ وہ تمام لوگوں کیلئے اللہ کے رسول ہیں۔ میرے بعد میرے اہلِ بیت سے امام ہوں گے جو مصائب سے گزریں گے لیکن جو لوگ ائمۂ طاہرین سے محبت کریں گے، ان کی پیروی کریں گے اور ان پر ایمان لائیں گے وہ یقیناً ہم میں سے ہوں گے اور ہمیں حوضِ کوثر پر ملیں گے۔

☆

باب پنجم :

حضرت علیؑ - اساسِ امامت

حدیثِ غدیر :

ہجرت کے دسویں سال آنحضرت صلعم نے اپنے قریبی ساتھیوں اور مختلف علاقوں میں رہنے والے مسلمانوں کو اپنے ساتھ حج میں شامل ہونے کی ہدایت کی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اتنی بڑی تعداد میں لوگ حضور صلعم کے ساتھ حج ادا کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ خاتم النّبیین سیّد المرسلین نے اپنے خطبات میں اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ پیش کر دیا۔ اسلامی اخوت، انسانی برابری و مساوات اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کا درس دیا۔ ان خطبات میں اس بات کا عندیہ بھی ملا کہ شاید یہ حج رسول اللہؐ کی زندگی کا آخری حج ثابت ہو اور اسی نسبت سے اسے حجۃ الوداع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حج کی ادائیگی کے بعد رسول اللہؐ اپنے ہمسفروں کے ساتھ مکہ سے مدینہ کیلئے روانہ ہو گئے۔ 18/ ذی الحجہ 10 ہجری (10 March 632 AD) کو یہ قافلہ غدیرِ خم کے مقام پر پہنچا جو موجودہ نقشے کے مطابق الجُحفہ کے قریب واقع ہے۔ یہ وہ مقام تھا جہاں سے مختلف علاقوں کے قافلے اپنے اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہوتے تھے۔ اس مقام پر روایت کے مطابق سورہ مآئدہ کی 67 ویں آیت نازل ہوئی جسے آیۂ بلّغ بھی کہتے ہیں :

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ
فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ (5:67)

'' اے رسول ! پہنچا دیجئے جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا (تو) گویا آپ نے اُس کی رسالت کو نہ پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں کے شر سے بچائے گا۔''

مذکورہ بالا آیت میں الفاظ کا انتخاب اور جملوں کی ساخت کا تجزیہ کریں تو درج ذیل نکات واضح ہوتے ہیں :

رسول اللہ صلعم کو اللہ کا وہ پیغام لوگوں تک پہنچانے کی تاکید کی جا رہی ہے جو پہلے ہی نازل کیا جا چکا ہے (مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ) ۔ اس پیغام کی اہمیت کا یہ عالم ہے کہ رسالت کے مشن کو اس کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے یعنی اگر اس اہم حکمِ خداوندی کی تبلیغ نہ ہوئی تو گویا رسالت کا کام ہوا ہی نہیں (فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ) ۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھنے کی یقین دہانی کروائی (وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ) ۔ گویا اس پیغام کی تبلیغ کے سلسلے میں آنحضرت کو لوگوں کی طرف سے کچھ خدشات تھے اور آپؐ مناسب موقع کے منتظر تھے۔ پس اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ خدشات دُور کر دیئے گئے۔

آیت کے نزول کے بعد آپؐ اسی مقام پر ٹھہر گئے۔ موسم شدید گرم تھا۔ جو قافلے آگے نکل گئے تھے انہیں واپس بلا لیا گیا اور پیچھے رہ جانے والوں کا انتظار کیا گیا۔ سلمان فارسی کو ہدایات دی گئیں کہ وہ ایک منبر کی تعمیر کریں کیونکہ رسول اللہ خاص اعلان کرنا چاہتے ہیں۔ روایات کے مطابق رسول اللہ صلعم نے تقریباً پانچ گھنٹے تک یہاں قیام فرمایا اور تین گھنٹے منبر پر رہے اور قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے رہے۔ اس اہم واقعے کو مختلف مؤرخین نے معمولی ردّ و بدل کے ساتھ رقم کیا ہے۔ ابن کثیر نے مختلف مستند راویوں کے حوالے سے اس واقعہ

کو اپنی کتاب میں رقم کیا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے :

و قال عبدالرزاق : أنا معمر عن علی بن زید بن جد عان عن عدی بن ثابت عن البراء بن عازب قال: خرجنا مع رسول اللّٰہ حتی نزلنا غدیرِ خم بعث منادیاً ینادی، فلما اجتمعنا قال:" ألست اَولٰی بِکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ" قُلنا: بلی یا رسول اللّٰہ ! قال : ألست اَولٰی بِکُمْ مِنْ اُمَّھَاتِکُمْ قلنا : بلی یا رسول اللّٰہ : قال: ألست اَولیٰ بِکُمْ مِنْ آبَائِکُم؟ قلنا بلی یا رسول اللّٰہ ! ألست ألست ألست؟ قلنا : بلی یا رسول اللّٰہ قال : مَنْ کُنْتُ مَولاہُ فَعَلِیٌّ مَولاہُ ، اَللّٰھُمَّ ! وَالِ مَنْ وَالاہُ ، وَ عَادِ مَنْ عَاداہُ. فقال عمر بن الخطاب بخٍ بخٍ لک یا ابن أبی طالب أصبحت مولای و مولٰی کل مسلم فأنزل اللّٰہ عزو جل [اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ] (البدایہ وَالنِّھَایہ، صفحہ 350)

"ہم رسول اللہؐ کے ساتھ روانہ ہوئے یہاں تک کہ غدیرِ خم کے مقام تک پہنچ گئے۔ اس بات کی منادی کرادی گئی کہ تمام لوگ جمع ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو رسول اللہ نے اجتماع سے خطاب کیا۔ آپؐ نے سوال کیا اَلَسْتُ اَولٰی بِکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ کیا میں تم پر تمہاری جانوں سے زیادہ حق نہیں رکھتا؟ لوگوں نے جواباً کہا بیشک (حضور صلعم کا یہ سوال کرنا سورہ احزاب کی مندرجہ ذیل آیت کی طرف اشارہ تھا جس میں نبی کو مومنین کی جانوں (زندگی) پر اختیار دیا گیا ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ ط (33:6)

"نبی مومنوں پر ان کی اپنی جانوں سے زیادہ حق رکھنے والا ہے۔")

حضور صلعم نے مزید دریافت کیا الست اَولیٰ بکم من اُمھاتِکم کیا میں

تم پر تمہاری ماؤں سے زیادہ اختیار نہیں رکھتا؟ مجمع نے دُہرایا بیشک۔ آپؐ تیسری مرتبہ سوال کرتے ہیں الست اَولٰی بکم من آبائِکُم کیا میں تم پر تمہارے آبا (باپ دادا) سے زیادہ اختیار نہیں رکھتا؟ جواب ملتا ہے بیشک۔ (اس کے بعد حضرت محمدؐ پیغمبرِ خداؐ علی مرتضیٰؑ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر بلند کرتے ہیں اور) ارشاد فرماتے ہیں :

مَنْ کُنْتُ مَولاہُ فَعَلِیٌّ مَولاہُ ، اَللّٰھُمَّ ! وَالِ مَنْ وَالاہُ ، وَ عَادِ مَنْ عاداہ.

"جن کا میں مولا ہوں علیؑ ان کے مولا ہیں۔ اے اللہ ! تو اس کو دوست رکھنا جو علیؑ کو دوست رکھے۔ اور دُشمن رکھ اس کو جو علیؑ کو دشمن رکھے۔"

(اپنے خطبہ میں آنحضرتؐ نے دو بھاری چیزوں یعنی ثقلین سے وابستہ رہنے اور ان سے ہدایت حاصل کرتے رہنے کا بھی ذکر کیا جو قیامت تک ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گی۔ یہ دو بھاری چیزیں کتاب اللہ اور عترتِ رسول یعنی اہل بیت ہیں۔)

حضرت عمر بن الخطاب نے یہ کہہ کر مبارکباد پیش کی بخ بخ یا (علی) ابن ابی طالب اصبحت مولای و مولیٰ کل مسلم مبارک مبارک اے علی ابن ابی طالب آپ میرے اور تمام مسلمانوں کے مولا بن گئے۔"

تکمیلِ دین کی مندرجہ ذیل آیت اس موقع پر نازل ہوئی :

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً ط (5:3)

ترجمہ: "میں نے آج کے دن تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل

کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو پسند کیا۔''

رسول اللہ نے اس موقع پر اپنا عمامہ حضرت علیؑ کو پہنایا اور لوگوں کو علیؑ سے عہد و پیمان کرنے کی ہدایت کی۔

یہ روایات تاریخ اور احادیث کے شیعہ و غیر شیعہ مآخذ (sources) نے تواتر کے ساتھ روایت و درایت کے مروجہ معیار کے مطابق معتبر اسناد کے ساتھ بیان کی ہیں البتہ اندازِ بیان اور عبارت میں معمولی فرق موجود ہے۔ ان حوالوں میں قابلِ ذکر ابن کثیر، مشکوٰۃ شریف، مسندِ احمد بن حنبل، ترمذی شریف وغیرہ ہیں۔

اس تفصیلی بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ غدیرِ خم کی واقعاتی حیثیت مسلمہ ہے تاہم لفظ مولیٰ کی تشریح کے سلسلے میں اختلاف موجود ہے۔ لفظ مولا عربی زبان میں کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن میں دوست، ہمسایہ، سرپرست، آقا، مالک، وارث، محافظ وغیرہ شامل ہیں لیکن رسول اللہ کا قرآنی حکم کے ذریعے مومنین پر اپنا کلی اختیار (authority) جتاتا اور اس کے بعد یہ فرمانا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے اس اختیار (authority) کی منتقلی کو ظاہر کرتا ہے۔ نیز رسول اللہؐ نے یہاں اپنے آپ کو بطورِ معیار پیش کیا ہے یعنی جس طرح نبی پاک مومنین کے مولا ہیں اسی طرح علیؑ ہیں۔ اب یہ اپنے اپنے عقیدے پر منحصر ہے کہ کون نبی کو کیا مقام دیتے ہیں۔ اگر حضور صلعم کو دوست سمجھتے ہیں تو علیؑ بھی ویسے ہی دوست ہیں اگر آپؐ ولی ہیں تو علیؑ بھی اسی طرح ولی ہیں اور اگر نبی مومنین کی جان و مال پر مکمل اختیار رکھنے والے آقا و مالک ہیں تو علیؑ بھی اسی اختیار کے ساتھ مومنین کے آقا و مالک ہیں۔

سیّدنا حکیم ناصر خسروؒ فرماتے ہیں :

آگه تُو نئی که پیمبر کرا سُپرد
روزِ غدیرِ خم ز منبر ولایتش

ترجمہ : کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسولِ خداؐ نے غدیرِ خم کے دن منبر پر منصبِ ولایت (اُمّت کی سرپرستی) کا عہدہ کس کو سونپا تھا؟

آن را سُپرد کایزد مَر دین و خلق را
اندر کتابِ خویش بدو کرد اشارتش

ترجمہ : (ہاں) رسولِ خداؐ نے اپنے دین اور اپنی اُمّت کو اُسی مرد (کامل) کے سپرد کیا جس کی طرف قرآنِ مجید میں حق تعالیٰ نے (بارہا) اشارہ فرمایا ہے۔

کرا کُرار خواند احمد جُز اُو را
تو نیزش خوان اگر ہستی مسلمان

ترجمہ : آنحضرتؐ نے علیؑ کے سوا کسی کو کرّار کے لقب سے نوازا ہے؟ اگر تم بھی مسلمان ہو تو اس نام سے علیؑ کو یاد کرو۔

پس از خطبهٔ غدیرِ خم شنیدی
علی اُو را ولی باشد به پیمان

ترجمہ : غدیرِ خم کے خطبے کے بعد جو تم نے سُنا ہے کہ علیؑ نبیؐ (کے بعد اُمّت) کا ولی یعنی سرپرست ہے (اشارہ ہے مَنْ کُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِیٌّ مولاهُ کی طرف)

چنین بودست پیمانِ پیمبرؐ
در آن منزل که منبر کرد پالان

ترجمہ : رسولِ خداؐ کا اُمّت سے یہی عہد تھا جو آپؐ نے کجاووں کا منبر نصب کر کے علی مرتضیٰؑ کی ولایت کا اعلان فرمایا تھا۔

(بحوالہ : کلامِ پیر ناصر خسروؒ، حصّہ اوّل، صفحہ 3 اور 13)

حدیثِ منزلت :

شیعانِ علی حضرت علی علیہ السّلام کی امامت کے حق میں دلائل دیتے ہوئے جن احادیث کو بنیاد بناتے ہیں اُن میں حدیثِ منزلت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس حدیث کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ جب مسلمانوں کا لشکرِ جرار رسول اللہؐ کی زیرِ قیادت غزوۂ تبوک کیلئے روانہ ہوا تو حضرت علیؑ کو آنحضرتؐ نے مدینہ منورہ میں ریاست کا نظم ونسق سنبھالنے کیلئے اپنے قائم مقام اور نائب کے فرائض انجام دینے کیلئے مدینہ ہی میں رکنے کی ہدایت کی۔ یہ واقعہ غیر معمولی نوعیت کا حامل تھا کیونکہ حق و باطل کے ہر معرکے میں حضرت علیؑ پیش پیش رہے تھے اور اسلام کو عرب کے طول و عرض میں پھیلانے میں جو بھی رکاوٹیں تھیں انہیں ختم کرنے میں حیدرِ کرار کا کردار بے نظیر اور لاثانی تھا بلکہ ذوالفقار کی ضرب کاری کے سامنے عرب کے بڑے بڑے سورما اپنی جانیں گنوا چکے تھے۔ غزوۂ تبوک کیلئے لشکرِ اسلام میں حضرت علیؑ کی عدم شمولیت سے لوگوں میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں لیکن اللہ کے نبیؐ شاید اس موقع پر ایک خاص پیغام دینا چاہتے تھے۔ جب حضرت علیؑ نے اس معاملے میں آپؐ سے رجوع کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا :

یَا عَلِیُّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُّوْسیٰ اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ.

''اے علیؑ تیرا درجہ مجھ سے ایسا ہے جیسے ہارونؑ کا درجہ موسیٰؑ

سے تھا۔ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہے۔''

یہ روایت اگرچہ حدیثِ صحیحہ ہے جس کو اہلِ سُنّت والجماعت اور اہلِ تشیع یکساں طور پر مستند مانتے ہیں لیکن دونوں کی تشریحات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

اہلِ سُنّت کے علماء کے نزدیک حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے درمیان تعلق کی نوعیت کے تین پہلو تھے۔ حضرت موسیٰ و ہارون ایک دوسرے کے بھائی تھے، دونوں حضرات اپنے وقت کے نبی تھے اور حضرت موسیٰؑ کوہِ طور پر گئے تو اپنے پیچھے نائب کے طور پر ہارونؑ کو مقرر کیا۔ حضرت علیؑ حضرت محمدؐ کے سگے بھائی نہیں تھے اور نہ ہی علیؑ نبی ہو سکتے تھے لہٰذا آخری ممکنہ صورت یہی باقی رہتی ہے کہ جس طرح حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے نائب رہے اسی طرح آنحضرت صلعم نے حضرت علیؑ کو مدینہ میں قوم پر اپنا نائب مقرر کیا تاہم ان کی رائے میں یہ ایک وقتی حکم تھا۔

اسماعیلی داعی ابو الفوارس انہی نکات پر اپنا استدلال پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یقیناً آنحضرت صلعم اور حضرت علیؑ حقیقی بھائی نہ تھے اور رسول خاتم النّبیّین تھے اور واحد قدرِ مشترک یہ ہی ملتی ہے کہ حضرت علیؑ کو آنحضرت صلعم نے اپنا نائب و جانشین مقرر فرما دیا۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہ حکم عارضی نوعیت کا تھا تو ابوالفوارس کہتے ہیں کہ کوئی بھی ایسے تاریخی شواہد نہیں ملتے کہ رسول اللہ صلعم نے مہم سے واپسی پر اس حکم کو واپس لے لیا یا منسوخ کر دیا ہو۔ مزید براں حدیثِ مذکورہ کا آخری حصّہ لا نبی بعدی اس طرف واضح اشارہ کرتا ہے کہ یہ نیابت رسول کی زندگی کے بعد بھی جاری و ساری

رہے گی ورنہ اگر یہ عارضی حکم ہوتا تو یہ فقرہ قطعاً غیر ضروری تھا۔

(الرّسالہ فی الامامۃ ، صفحہ 12)

قرآنِ پاک میں حضرت موسٰیؑ اور حضرت ہارونؑ سے متعلق بہت ساری آیات ملتی ہیں۔ اس میں سے دو کا تذکرہ اس مقام پر کرتے ہیں جو شاید ہمیں حدیثِ منزلت کی نوعیت کو سمجھنے میں معاون ہو سکتی ہیں۔

حضرت موسٰیؑ بارگاہِ اِلٰہی میں دست دعا بلند کرتے ہیں :

وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ۙ هٰرُوْنَ اَخِی ۙ اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ ۝ وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ ۙ كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا ۝ وَّ نَذْكُرَكَ كَثِیْرًا ؕ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا ۝ قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی ۝ وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْكَ مَرَّةً اُخْرٰۤی ۙ

(20: 29-37)

”اور میرے لئے میرے اہل میں سے ایک وزیر بنا دے، میرا بھائی ہارون۔ اس کے ذریعہ سے میری کمر مضبوط کر دے اور اسے میرے کام میں میرا شریک کر دے تاکہ ہم تیری بہت زیادہ تسبیح کریں اور تیری یاد بہت کثرت سے کریں۔ یقیناً تو ہمیں خوب دیکھنے والا ہے۔ اس نے کہا اے موسٰی ! یقیناً جو تم نے مانگا تمہیں دے دیا گیا اور یقیناً ہم نے ایک اور دفعہ بھی تم پر احسان کیا ہوا ہے۔“

اس آیۂ مبارکہ سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ اللہ کے جلیل القدر پیغامبر بھی اپنے لئے وزیر کو منتخب کرنے کیلئے تائیدِ الٰہی کے محتاج ہیں اور وہ اپنی مرضی سے ایسا نہیں کر سکتے۔ نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ پیغمبر کا وزیر اس کی

آل اور اہل سے ہوتا ہے اور یہ وزیر کارِ نبوت میں پیغمبر کا دست و بازو اور مدد گار ہوتا ہے۔

سورہ 7 کی 142 ویں آیت میں حضرت موسٰیؑ کے اعتکاف کیلئے کوہِ طور پر جانے کا ذکر ہے اور اس آیت میں حضرت ہارونؑ کے لئے خلیفہ کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

وَ قَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ (7: 142)

”اور موسٰیؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہا: تم میری قوم میں میرے خلیفہ بنو، اور اصلاح کرتے رہو۔ اور فساد کرنے والوں کے راستہ کی پیروی نہ کرنا۔“

اس آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی کی وزارت و خلافت من جانب اللہ ہوتی ہے اور اُسے قوم کی اصلاح کرنے کا پورا پورا اختیار ہے اور اس سلسلے میں ہر ضروری قدم اُٹھا سکتا ہے۔

پس شیعہ مکتبِ فکر کے نزدیک حدیثِ منزلت حضرت علیؑ کا بطورِ جانشین اور خلیفۂ رسول کا اعلان ہے جسے تائیدِ ربانی حاصل ہے اور بطورِ جانشینِ رسول صلعم علی مرتضیٰؑ قوم کی اصلاح و قیادت کا مکمل اور غیر مشروط اختیار رکھتے ہیں۔

☆

باب ششم :

قرآنِ پاک اور امامؑ کا باہمی رشتہ

قرآنِ حکیم انسانیت کے نام اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے جو پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ پر وحی کی صورت میں نازل ہوا جس میں دینی و دُنیاوی امور سے متعلق بنیادی ہدایت موجود ہے۔ عربوں کو اپنی زبان اور اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا اور ان کے زعم کا یہ عالم تھا کہ وہ غیر عرب کو عجم یعنی گونگا کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ کلامِ اِلٰہی میں الفاظ کی بندش، معنویت اور حکمت ایسی مثالی ہے کہ اسے سن کر اہلِ عرب حیرت زدہ رہ گئے اور آنحضرتؐ کو شاعر و مجنون کہنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو قرآنِ حکیم کے خدا کا کلام ہونے پر شک کرتے تھے یہ چیلنج دیا کہ وہ سب مل کر اس جیسا کلام تخلیق کر کے لائیں لیکن وہ اس میں ناکام رہے۔

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰـذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ○

(17:88)

"(اے رسولؐ !) کہہ دو کہ اگر تمام انسان اور سب جن اس بات پر اجماع کر لیں کہ اس قرآن کی مثل لائیں تو اُس کی مثل نہیں لا سکیں گے۔ اور اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔"

اس کلام کی معنوی وسعت کا یہ عالم ہے کہ چودہ سو سال سے مختلف

تہذیب و ثقافت رکھنے والے مفسّرین اس کی تفسیر لکھ رہے ہیں اور اس پیغام کی تشریحات کر رہے ہیں مگر اس کی وسعت ہے کہ پھیلتی ہی جا رہی ہے جس سے قرآنِ پاک کی آفاقی نوعیت اور اس میں پوشیدہ تہہ در تہہ حکمت کا اظہار ہوتا ہے۔

کلامِ الٰہی نہ صرف رشد و ہدایت کا ذریعہ ہے بلکہ اس میں لوگوں کے لئے رحمت اور بشارت بھی موجود ہے :

وَیَوْمَ نَبْعَثُ فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا عَلَیْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِیْدًا عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًی وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ ○ (16:89)

"اور جس دن ہم ہر اُمّت میں سے ایک گواہ اُنہی میں سے اُنہی کے بر خلاف کھڑا کریں گے۔ اور (اے رسولؐ) تمہیں ان سب پر گواہ لائیں گے اور ہم نے تم پر (ایسی) کتاب اتاری ہے جو ہر چیز کا کُھلا کُھلا بیان ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔"

اب سوال یہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں موجود رحمت، ہدایت و بشارت کا فیض لوگوں تک کس طرح پہنچے؟ قرآنِ حکیم بنی نوع انسان کے لئے نازل کیا گیا ہے مگر اُسے تمام انسانوں پر نازل نہیں کیا گیا بلکہ ایک رسولؐ پر نازل کیا گیا جسے قرآنِ حکیم میں معلمِ کتاب و حکمت کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی حقیقت سے صرف اس کا معلم ہی واقف ہے اور وہی کسی کو قرآن سمجھا سکتا ہے۔ اگر اس کا سمجھنا ہر ایک کے لئے ممکن ہوتا تو

پھر کسی کو اس کا معلم بنانے کی ضرورت پیش نہ آتی بلکہ اس کی تفہیم ہر ایک کی اپنی عقل پر چھوڑ دی جاتی مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔

کتابِ الٰہی کے فیوض و برکات معلمِ کتاب کے ذریعے اور وسیلے سے ہم تک پہنچ سکتے ہیں جنہیں علمِ لدُنّی دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن کی رحمت، ہدایت و برکت ہادیٔ برحق کے ذریعے ہی لوگوں تک پہنچ پاتی ہیں۔ اسی معنی میں رسول اللہؐ کو رحمت لِلعالمین، بشیر و نذیر اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرنے والا قرار دیا گیا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے ظاہر ہے :

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوحاً مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْراً نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ O (42:52)

"اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے امر سے ایک روح وحی کی۔ تو نہیں جان سکتا تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ ہی ایمان۔ لیکن ہم نے اُسے نور قرار دیا، اس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔ اور یقیناً تو البتہ سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔"

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِداً وَّمُبَشِّراً وَّنَذِيْراً O (48:8)

"یقیناً ہم نے تمہیں گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔"

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ O (21:107)

"اور نہیں بھیجا ہم نے تمہیں مگر جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔"

آسمانی کتاب کے ساتھ معلّمِ ربّانی کی موجودگی کی ضرورت کے لئے مندرجہ ذیل نکات قابلِ غور ہیں :

1۔ ہر مضمون کی کتاب کے لئے مدرّس اور معلّم کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا اس کتاب کیلئے بھی جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوئی ہے، مدرّس و معلّم کی ضرورت ہے۔ بحکمِ خدا عام انسانوں کا علم نہایت ہی محدود ہے۔ ارشاد ہے :

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلاً O (17:85)

"اور تمہیں علم میں سے بہت ہی تھوڑا حصہ دیا گیا ہے۔"

لہٰذا کسی عالم کے لئے بھی کتاب اللہ کے کُل علوم، اسرار، حقائق و دقائق کا احاطہ ممکن نہیں ہوسکتا۔ انسان تو کیا ملائکہ مقربین بھی ایسا دعویٰ نہیں کرسکتے جن کو خلیفۂ خدا کے مقابلے میں آخرکار اقرار کرنا پڑا کہ:

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ (2:32)

"(انہوں نے کہا) تو ہر عیب سے پاک ہے، ہمیں تو کوئی علم نہیں سوائے اس کے جو کچھ تو نے ہمیں سکھایا۔"

لہٰذا اس کتاب کیلئے ایک ایسے معلّم کی ضرورت ہے جو اُن تمام علوم کا، جن کا اس کتاب اللہ میں بیان ہے، عالم ہو۔ تعلیمِ ربّانی کے بغیر فہمِ قرآن محال ہے۔

2۔ معانی الفاظ پر مقدّم ہیں۔ کلام کرنے والا پہلے اپنے دل و دماغ میں کوئی خیال رکھتا ہے جن کا وہ الفاظ میں اظہار کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ سننے والا

تمام مطالب کو سمجھ لے یا کچھ کو سمجھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ نہ سمجھے۔ اگر انسانی کلام کی یہ حالت ہے تو پھر خالق کے کلام کی کیا شان ہوگی جو نہ حرف ہے اور نہ صوت بلکہ وہ زبانِ بے زبانی سے کلام کرتا ہے؟ جب بشر کے کلام کے معانی کا احاطہ بشر کے لئے ممکن نہیں تو پھر خالقِ زمین و آسمان و جن وانس و مَلک وعقول کے کلام کے معانی پر عقلِ بشری کیونکر غالب ہوسکتی ہے؟

3۔ اللہ کا کلام معجزہ ہے۔ ارشاد ہے کہ:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ (2:23)

''اور اگر تم اس سے شک میں ہو جو کچھ ہم نے اپنے بندے پر اُتارا ہے تو تم بھی ویسی ہی ایک سورت لے آؤ''۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ عقولِ بشری اس کلام کے مقابلے میں عاجز ہیں۔ باوجود اس مسلّم دعوے کے کون ذی عقل کہہ سکتا ہے کہ اس معجزانہ کلام کا سمجھنا ممکن ہے۔ معجزہ کی حقیقت صاحبِ اعجاز ہی جانتا ہے بلکہ اعجاز صاحبِ اعجاز کے ہی ہاتھ میں ظاہر ہوتا ہے۔ عصائے موسیٰؑ کی حقیقت موسیٰؑ ہی جانتے ہیں اور عصائے موسیٰؑ کا اعجاز دستِ موسیٰؑ میں ہی ظاہر ہوتا ہے نہ کہ کسی اور کے ہاتھ میں۔ اسی طرح کلامِ ربّانی سمجھنے کے لئے عالمِ ربّانی چاہیے۔

4۔ قرآنِ پاک کا یہ دعویٰ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ ارشاد ہے کہ:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ○ (4:82)

''کیا وہ قرآن میں تدبّر نہیں کرتے؟ اور اگر وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔''

اختلاف کا نہ ہونا اس کے کلام اللہ ہونے کی ایک روشن دلیل ہے۔ لیکن اگر کتبِ تفاسیر، کتبِ فقہ اور علمائے کرام کی تصانیف کا جائزہ لیا جائے تو وہ سب اختلافات سے پُر نظر آئیں گی۔ ایک مفسر دوسرے مفسر کی تفسیر کو رد کرتا ہے، ایک فرقہ کا عالم دوسرے کی تکفیر وتفسیق کرتا ہے اور ہر ایک اپنے مذہب اور عقیدۂ مذہب کو اپنے گمان میں اسی کتاب اللہ سے اخذ کرتا ہے۔ ان اختلافات کی دوہی وجہیں ممکن ہیں۔ یاتو خود کلامِ الٰہی سے یہ اختلافات پیدا ہوئے ہیں یا پھر لوگوں نے کلام اللہ کی تفہیم میں غلطی کی ہے۔ ظاہر ہے کہ پہلی وجہ اس لئے ناممکن ہے کہ اس کلام کا اعلان ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ اگر اس میں اختلاف ہوگا تو وہ بنی نوع انسان کی ہدایت کیسے کرسکے گا؟ پس دوسری صورت ہی اِن اختلافات کی وجہ ہے کہ چونکہ لوگ اپنی ناقص عقل سے قرآن کو کما حقہٗ نہیں سمجھ سکتے اس لئے اختلافات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

5۔ جیسا کہ اس سے قبل ذکر ہوا ہے کہ قرآنِ حکیم میں محکم اور متشابہ دو طرح کی آیات ہیں اور خاص طور پر متشابہات محتاجِ تاویل ہیں اور تاویل کے متعلق خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ان کی تاویل سوائے اللہ کے اور رَاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ کے اور کوئی نہیں جانتے۔ کیونکہ لفظ تاویل اوّل سے ہے جس کے معنی ہیں ظاہری معنی کو اس کے اصلی اور حقیقی معنی کی طرف واپس لے جانا۔ اور ظاہر

ہے کہ یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ اس کے اصلی اور حقیقی حالت کا پہلے سے علم ہو جو ایک ایسا مقام ہے جس کا دعویٰ کوئی بھی ظاہری عالم نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اگر ہر قرآن پڑھنے والے کو اسکی تاویل کا بھی پورا پورا علم حاصل ہو جائے تو علم لدُنّی کی کوئی بھی فوقیت اس پر برقرار نہیں رہے گی۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تاویل اللہ ہی کسی کو سکھاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ (12:6)

"(حضرت یوسفؑ کو ان کے والد حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ)
اور اسی طرح تمہارا پروردگار تمہیں منتخب کرے گا اور تمہیں ہر بات کی تاویل سکھا دیگا۔"

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ (12:21)

"اور اسی طرح ہم نے یوسف کو زمین میں جگہ دیدی اور تا کہ ہم اُسے ہر بات کی تاویل سکھا دیں۔"

مندرجہ بالا دونوں آیات سے بھی یہ حقیقت اور واثق ہو جاتی ہے کہ تاویل کا علم صرف اللہ ہی کسی کو عطا کرتا ہے۔ ہر شخص اسے حاصل نہیں کرسکتا۔

6۔ قرآن جو علمِ الٰہی کا ایک معجزہ ہے اپنے معنوی لحاظ سے ایک نور ہے جو اللہ کی جانب سے نازل ہوا اور جہاں یہ نازل ہوا اُسے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا نور قرار دیا اور جس کے پاس اس کتاب کا علم ہے اُسے بھی اللہ و رسولؐ

نے نور قرار دیا۔ پس معلوم ہوا کہ نور کا ظرف بھی نور ہے اور یہ ناممکن ہے کہ یہ نور آنحضرت صلعم کے بعد کسی قلب ظلماتی میں نازل ہوسکے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ عوام الناس کے قلوب تو بلاشبہ مظلم ہیں جنہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جانے کے لئے آسمان سے یہ نور نازل ہوا ہے۔ پس یہ نور انبیاء وائمہ علیہم السلام کے علاوہ جو کہ نور ہیں کسی اور کے دل میں نہیں آسکتا۔

(اختصار از مصحفِ ناطق، صفحہ 46-36)

قرآنِ شریف کوئی سطحی و بشری تحریر نہیں جسے ہر کس و ناکس سمجھ سکے بلکہ یہ دانائی و حکمت سے لبریز اللہ کا کلام ہے جس کے ہر لفظ میں ظاہری و باطنی علوم پوشیدہ ہیں۔ آنحضرت کا ارشاد ہے :

مَا مِنْ اٰيَةٍ اِلَّا وَلَهَا ظَهْرٌ وَ بَطْنٌ

(الرسالہ فی الامامہ، صفحہ 7)

"قرآن کی کوئی آیت نہیں مگر یہ کہ اس کا ایک ظاہر ہے اورایک باطن۔"

ارشادِ خداوندی ہے :

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ (3:7)

"وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تم پر یہ کتاب نازل کی کچھ اس میں محکم آیتیں ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں اور دوسری متشابہات

(ایک دوسری سے ملتی جلتی) ہیں۔ پس وہ لوگ جن کے دلوں
میں کجی ہے وہ فتنہ چاہنے اور اُسے اپنے مطلب پر ڈھالنے کیلئے
اُن متشابہ آیتوں کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ اس کا اصل مطلب
سوائے اللہ تعالیٰ کے اور اُن لوگوں کے جو علم میں راسخ ہیں اور
کوئی نہیں جانتا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے یہ سب
ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔''

مندرجہ بالا آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ پاک میں دو طرح کی آیات شامل ہیں: محکمات و متشابہات۔ محکمات آیاتِ قرآنی کی وہ قسم ہے جو نسبتاً عام فہم ہیں اور زیادہ تر حقوق و فرائض کے بارے میں ہیں۔ متشابہات سے مراد وہ آیتیں ہیں جن کا اندازِ بیان تمثیلی و تشبیہی ہے۔ ان تشبیہات سے کیونکہ کئی معنی اخذ کئے جا سکتے ہیں لہٰذا ان کو بنیاد بنا کر شر پسند افراد فساد و تفرقہ پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ حالانکہ ان کے باطنی معنی یعنی تاویل سوائے اللہ کے اور ان کے جو علم میں پختہ ہیں اور کوئی نہیں جانتا۔ قرآنِ پاک کی تفہیم کے لئے ہمیں رَاسِخُوْنَ فِی الْعِلْم کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ رَاسِخُوْنَ فِی الْعِلْم (علم میں پختہ) سے کون لوگ مراد ہیں اس پر موجود مختلف نقطۂ ہائے نظر پر بات چیت کرنے سے پہلے اس آیت کے حوالے سے ایک اور اہم بات کا تذکرہ ضروری ہے۔ مفسّرین قرآنِ پاک کا ایک طبقہ مذکورہ آیت میں اِلَّااللّٰہ کے بعد وقف ضروری سمجھتا ہے اور اس صورت میں عبارت یوں بنتی ہے وَ مَا یَعْلَمُ تَاوِیْلَہٗ اِلااللّٰہ۔ یعنی ''اور اس کی تاویل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔'' اس سے درج ذیل اثرات و نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں :

1۔ قرآنِ پاک لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نازل کیا گیا لیکن اگر

اس پیغام کی حقیقت صرف اللہ تک محدود ہے تو پھر اس آفاقی پیغام پر عمل کرنا اور سمجھنا کیسے ممکن ہے؟

2۔ کلامِ پاک پیغمبرِ اسلام حضرت محمدؐ پر نازل کیا گیا۔ یہ بات بعید از قیاس لگتی ہے کہ خدا اپنے محبوب پیغمبر سے اس کلام کی معنویت کو پوشیدہ رکھے جسے اس کی ترویج و اشاعت کی ذمہ داری دی گئی۔ اگر آپؐ کو قرآنِ پاک کی تاویل سے محروم رکھا گیا تو پھر آپؐ مُعلّم کتاب و حکمت کے فرائض کس طرح انجام دیتے؟

3۔ علم التاویل یعنی کسی شے کی اصل و حقیقت جاننے کا علم ایک خاص صفت ہے جو بہت سے انبیائے کرام کو عطا کی گئی۔ حضرت یوسف علیہ السّلام کے بارے میں ارشاد ہوا کہ :

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْکِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِن تَاْوِیْلِ الاَحَادِیْثِ ج
فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قف اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ج
تَوَفَّنِیْ مُسْلِماً وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ O (12:101)

''اے میرے پروردگار ! یقیناً تو نے مجھے ملک میں سے کچھ دیا ہے اور مجھے باتوں کی تاویل سے کچھ تعلیم کیا ہے۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے ! تو ہی دُنیا اور آخرت میں میرا سرپرست ہے۔ تو مجھے (دُنیا سے حقیقی) مسلم اُٹھا اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا دے۔''

یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت یوسفؑ کو تو علم تاویل عطا ہو لیکن حبیبِ خدا، سیّد المرسلین خاتم النّبیین حضرت محمد مصطفیٰؐ جیسے جلیل القدر پیغمبر جنہیں انبیائے کرام کے سردار ہونے کا شرف ملا انہیں تاویل کے علم سے محروم رکھا جائے؟ کیا

اس سے شانِ مصطفیٰ پر حرف نہیں آتا؟ ایسا گمان کرنا بھی عقلی تقاضوں سے دُور نظر آتا ہے۔

شیعہ مفسّرین کے نزدیک مکمل عبارت وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ بنتی ہے یعنی ''اس (قرآن) کی تاویل سوائے اللہ کے اور ان لوگوں کے جو علم میں پختہ ہیں اور کوئی نہیں جانتا۔'' وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ میں سب سے پہلے حضرت احمد مجتبیٰ کی شخصیت آتی ہے جن پر کلامِ الٰہی نازل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام پیغمبرانہ علوم سے سرفراز فرمایا۔ قرآن ایک آفاقی کتاب ہے اس لئے ہر دور میں صاحبِ تاویل کا ہونا لازمی ہے جو بدلتے ہوئے حالات اور وقت کے مطابق اس پیغام کی تاویل و تعلیم کا فرض ادا کر سکے ورنہ تو یہ ابدی پیغام جامد ہو کر رہ جائے گا۔

آنحضرتؐ نے اپنی زندگی ہی میں حضرت علی مرتضیٰؑ کو صاحبِ تاویل کے طور پر متعارف کروایا۔ آپ نے انہیں باب العلم اور درِ حکمت جیسے القابات سے نوازا۔ آپؐ نے فرمایا:

اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُهَا (کوکبِ دُرّی 157)

''میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہیں۔'' اور

اَنَا دَارُالْحِکْمَةِ وَ عَلِیٌّ بَابُهَا (کوکبِ دُرّی 157)

''میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔''

عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ مَعَ عَلِی

''علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہیں۔''

(مولانا سیّد عنایت علی شاہ، القرآن مع علی، صفحہ 6)

خَیْرُکُمْ بَیْنَکُمْ مَنْ یُقَاتِلُکُمْ عَلٰی تَاْوِیْلِ الْقُرْاٰنِ کَمَا قَاتَلْتُکُمْ عَلٰی تَنْزِیْلِهٖ. (وجہ دین، صفحہ 330)

''تمہارے درمیان تم سب سے بہتر وہ شخص ہے جو شریعت اور قرآن کی تاویل کیلئے تم سے جنگ کرے گا، جس طرح میں نے تم سے تنزیل کیلئے جنگ کی ہے۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کے اسرار و رموز سمجھنے کے لئے علی ابن ابی طالب سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتا جو راسخون فی العلم ہیں اور رسول سے سند یافتہ۔

حضرت علیؑ عقل و دانائی میں یکتا و منفرد مقام رکھتے تھے اور معاملات کو سمجھنے میں آپ کی صلاحیت مثالی تھی۔ خلفاء آپ سے اہم امور میں مشاورت کو باعث اعزاز جانتے۔

حضرت عمر کے پاس ایک عورت کا معاملہ تصفیہ کے لئے آیا جس نے چھ ماہ میں بچّے کو جنم دیا تھا۔ لوگ اس پر بدچلنی کا الزام لگاتے تھے اور بچّے کی ولدیت کے حوالے سے مشکوک تھے۔ حضرت عمر اس عورت پر حد جاری کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت علیؑ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور کہا کہ یہ بچّہ اس کے شوہر سے جائز اولاد ہے اور محض شک کی بنیاد پر حد جاری نہیں کی جا سکتی۔ حضرت عمر نے پوچھا کہ آپ کس بنیاد پر کہتے ہیں؟ تو آپؑ نے قرآنِ پاک کی ذیل کی آیات دلیل کے طور پر پیش کیں:

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسَانًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ کُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ کُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ (46:15)

"اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کی وصیت کی۔ اس کی ماں نے اُسے تکلیف سے حمل میں رکھا اور اُسے تکلیف سے ہی جنا اور اس کا حمل اور دودھ چھڑائی تیس مہینے ہے۔"

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ○ (2:233)

"اور مائیں اپنی اولاد کو دو سال کامل دودھ پلائیں گی۔"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ حضرت علیؑ نے عورت کو الزام سے بَری کیا اور اس کے باپ سے منسوب قرار دیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ کی علمی فضیلت کا اقرار ان الفاظ میں کیا: "لَوْ لَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ" یعنی "اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔"

جب حضرت علی علیہ السّلام مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے اور لوگ بیعت کر چکے تو آپؑ جنابِ رسالت مآبؐ کا عمامہ سر پر اور آنحضرتؐ کی چادر دوش اطہر پر اور نعلینِ رسولؐ زیبِ پا اور تلوارِ سرکارِ رسالتؐ کمر سے آراستہ کر کے مسجد نبوی میں تشریف لائے اور آتے ہی منبرِ رسالت پر جلوہ افروز ہوئے اور اطمینان سے بیٹھ کر ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دونوں ہاتھ اپنی گود میں رکھ لئے اور فرمایا اے لوگو! مجھ سے سوال کرو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ۔ یہ علم کا جوہر ہے، یہ رسول اللہ کا لعاب ہے۔ یہ علم مجھے رسالت مآبؐ نے اس طرح سکھایا ہے جس طرح پرندہ اپنے بچے کو دانہ بھراتا ہے۔ تحقیق میرے پاس اوّلین و آخرین کا علم ہے۔ آگاہ ہو! اگر میرے لئے تکیہ لگا دیا جائے پس میں اس پر بیٹھ جاؤں تو اہل توراۃ کو توراۃ سے ایسا فتویٰ دوں کہ توراۃ خود بول اٹھے گی اور کہے گی کہ سچ فرمایا علیؑ نے اور جھوٹ

نہیں کہا اور تم کو وہ فتویٰ دیا ہے جو مجھ پر اللہ نے نازل فرمایا ہے۔ اور انجیل والوں کو انجیل سے ایسا فتویٰ دوں کہ خود انجیل پکار کر کہے گی کہ علیؑ نے بالکل درست کہا اور غلط نہیں کہا اور تمہیں ایسی چیز کا فتویٰ دیا جو اللہ نے مجھ میں نازل فرمائی ہے۔ اور قرآن والوں کو قرآن سے اس طرح فتویٰ دوں گا کہ قرآن پکار کر کہے گا کہ علیؑ نے صحیح فتویٰ دیا ہے اور جھوٹ نہیں کہا اور تمہیں ایسے امر کا فتویٰ دیا ہے جو اللہ نے مجھ میں نازل فرمایا ہے۔ حالانکہ تم بھی شب و روز قرآن پڑھتے ہو۔ کوئی بھی ایسا ہے جو قرآن میں نازل شدہ تمام امور کو جانتا ہو؟... پھر سوال کرو مجھ سے قبل اس سے کہ میں تم سے جدا ہو جاؤں۔ مجھے دانہ کو شگوفہ اور روح کو پیدا کرنے والے کی قسم ہے اگر تم مجھ سے ایک ایک آیت کے متعلق سوال کرو، رات میں اُتری ہو یا دن میں، مکّی ہو یا مدنی، سفری ہو یا حضری، ناسخ ہو یا منسوخ، محکم ہو یا متشابہ اور تاویل یا تنزیل البتہ میں تم کو سب بتلا سکتا ہوں۔ ایک اور جگہ فرمایا کہ مجھ سے سوال کرو قبل اس سے کہ مجھے نہ پاؤ۔ تحقیق میری پسلیوں کے اندر علم کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔" (مقدمہ تفسیر انوار النجف، 83)

وارثِ قرآن:

قرآنِ پاک کی تعلیم کو سمجھنے کیلئے جن کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان ہستیوں کیلئے وارثِ قرآن و اہلِ ذکر کی اصطلاحات کا استعمال ہوا ہے۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ "علمائے کرام" کے ذریعے کلامِ پاک کی تعلیمات کو سمجھا جا سکتا ہے لیکن اس میں قباحت یہ ہے کہ علماء کے گروہ میں ایسے افراد بھی تو شامل ہیں جو اللہ کے پیغام کو اپنے ذاتی مفادات کیلئے توڑ مروڑ

کر پیش کرتے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ کلام اللہ میں ان کی نشاندہی یوں کی گئی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَآ أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا لا أُولَٰٓئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ج وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○

(2:174)

"بیشک وہ لوگ جو ان باتوں کو چھپاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کتاب میں نازل کیں اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت لے لیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے پیٹ میں آگ کے انگارے کھاتے ہیں اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ ان سے کلام کرے گا اور نہ ہی انہیں پاکیزہ ٹھہرائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔"

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ج فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ج وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ ج وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ط ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ○ط (35:32)

"پھر ہم نے کتاب کا وارث اُن لوگوں کو بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے مصطفیٰ کیا۔ پس اُن میں کچھ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ اُن میں سے میانہ رو ہیں اور کچھ اُن میں سے اللہ تعالیٰ کے اذن سے نیکیوں میں آگے بڑھنے

والے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔"

امام محمد باقر علیہ السّلام نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"اس آیت میں بھی پروردگارِ عالم نے ہم اَئِمّہ اہل بیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ سو معلوم ہو کہ "سَابِقٌ" سے ہم اَئِمّہ اہل بیت میں سے ہر دور کا امامؑ مراد ہے اور "مُقْتَصِدٌ" یعنی میانہ روی اختیار کرنے والے سے مراد امامؑ کے حقوق کی معرفت رکھنے والا ہے اور اپنے نفس پر ظلم کرنے والے سے وہ شخص مراد ہے جو شک میں مبتلا ہے اور ہم سے دوری اختیار کئے ہوئے ہے۔"

(دعائم الاسلام، حصّہ اوّل، صفحہ 46)

مندرجہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو قرآن کا وارث یعنی مالک قرار دیا ہے جس سے مراد کتاب کے علم و حکمت کا مالک ہونا ہے اور اپنے جن بندوں کا اللہ نے انتخاب کیا ہے اُن کے متعلق ارشاد ہے کہ:

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰٓ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ○لا (3:33)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اور نوحؑ اور آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمران کو تمام جہانوں پر مصطفیٰ کیا ہے۔"

متعدد شیعہ تفاسیر نے آلِ عمران سے مراد حضرت علی علیہ السّلام کو لیا ہے کیونکہ ان کے والد بزرگوار کا نام عمرانؑ اور کنیت ابو طالب تھی۔ چنانچہ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے آلِ ابراہیمؑ و آلِ عمرانؑ فرما کر محمد و آلِ محمد صلوات اللہ علیہم کو قرآن کے علم و حکمت کا وارث قرار دیا۔ پس جب وہ کتاب کے وارث ہیں تو پھر اُن کے بغیر کتاب کا حقیقی علم اور کون دے سکتا ہے؟

اہلِ ذکر :

قرآنِ شریف میں مومنین کو تاکید کی گئی ہے کہ اگر وہ نہیں جانتے تو اہلِ ذکر سے پوچھ لیں۔ یہ آیت ایک سے زائد مرتبہ نازل ہوئی جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے :

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالاً نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (16:43)

''اور ہم تم سے پہلے مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا کرتے تھے، ان کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے۔ پس اگر نہیں جانتے ہو تو اہلِ الذکر (آلِ محمدؐ) سے پوچھ لو۔''

مسلمانوں کا ایک طبقہ اہلِ ذکر کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس سے مراد اہلِ کتاب کے علماء ہیں یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ اگر دینی معاملات میں انہیں کوئی بات معلوم نہیں تو یہود و نصاریٰ کے علمائے دین سے معلوم کرلیں۔ اس تشریح میں کس قدر گہرائی ہے اس کا اندازہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں۔ اگر ہندوؤں سے یہ کہا جائے کہ وہ اگر ہندو مت کے بارے میں نہیں جانتے تو مسلمانوں سے پوچھ لیں تو کیا یہ بات ان کے لئے قابل قبول ہوگی؟ یا عیسائیوں سے کہا جائے کہ وہ اگر اپنے دین کے بارے میں نہیں جانتے تو یہودیوں سے پوچھ لیں یا مسلمانوں سے پوچھ لیں تو کیا وہ اس بات کو گوارہ کریں گے؟ ذرا درج ذیل آیت پر غور کریں :

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ

الَّذِیْ جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَکَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝ (2:120)

''اور ہرگز راضی نہیں ہوں گے تم سے یہودی اور نصاریٰ، جب تک کہ تم ان کی ملّت کی پیروی نہ کرو۔ تم کہہ دو کہ تحقیق اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی (اصلی) ہدایت ہے۔ اور (یاد رکھو کہ) بعد اس کے کہ تمہیں علم ہو چکا اگر تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو خدا کی طرف سے نہ کوئی تمہارا سرپرست ہوگا اور نہ مددگار۔''

آیۂ مذکورہ کا پیغام واضح ہے۔ رسولِ خدا سے کہا جا رہا ہے کہ یہود و نصاریٰ اس وقت تک آپ سے راضی نہ ہوں گے جب تک آپ ان کی قوم کی پیروی نہ کریں۔ اب اگر مسلمان قرآنی تعلیمات کو سمجھنے کیلئے یہودی و نصاریٰ عالموں کی طرف رجوع کرتے ہیں تو کیا ان کی یہ کوشش نہ ہوگی کہ وہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کی طرف راغب کریں جبکہ ان کی اس خواہش کا اندازہ اوپر دی گئی آیت سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

اہلِ ذکر کے معنی و مفہوم کو سمجھنے کے لئے ہمیں مزید جستجو کرنا ہوگی۔ قرآنِ شریف میں ذکر کا لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ذرا اس آیت پر غور کیجئے :

فَاتَّقُوا اللّٰهَ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ ۚۖ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا ۝ۙ رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ (65:10,11)

''پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اے عقل والو! جو ایمان لا چکے ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ذکر کو اُتارا ہے جو رسول

ہے، وہ تم پر اللہ تعالیٰ کی واضح آیتیں پڑھتا ہے تا کہ ان لوگوں کو جو ایمان لا چکے اور انہوں نے عمل نیک کئے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جائے۔"

اس قرآنی پیغام کی رُو سے ذکر سے مراد رسول ہے جو لوگوں کو اندھیروں سے نور کی طرف لے جاتا ہے۔ اگر ذکر سے مراد رسول اللہؐ ہے تو اہل ذکر اہل بیتِ رسول ہیں جنہیں خدا کی جانب سے علم ودیعت کیا گیا ہے :

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنٰتٌ فِي صُدُورِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ط (29:49)

"بلکہ وہ (قرآن) ان لوگوں کے سینوں میں واضح آیتیں ہیں جن کو علم عطا کیا گیا ہے۔"

اس دنیا سے رحلت فرمانے سے قبل آپؐ نے اس حقیقت کو انتہائی واضح الفاظ میں بیان فرما دیا کہ آپؐ کتاب اور معلمِ کتاب دونوں کو ایک ساتھ چھوڑے جا رہے ہیں جو ہمیشہ ایک ساتھ رہیں گے کیونکہ معلم کے بغیر کتاب کا تصور ادھورا رہتا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ:

اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰهِ وَ عِتْرَتِیْ اَهْلِ بَیْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِی اَبَداً

(کوکبِ دُری، صفحہ 173)

"میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑ جاتا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور میرے اہل بیت۔ اگر تم ان دونوں کو مضبوط تھامے رہو گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔"

"حضرت ابوذر غفاری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک

مرتبہ آپ رسول اللہ کی وفات کے بعد حج کے لئے حاضر ہوئے۔ جب آپ نے بابِ کعبہ پر طواف کرتے ہوئے لوگوں کا اژدہام دیکھا تو آپ نے بیت اللہ الحرام کے دروازے کی زنجیر پکڑ کر فرمایا کہ اے لوگو ! اے لوگو! یہ سننا تھا کہ لوگ نہایت ہی خاموشی کے ساتھ جمع ہو گئے۔ حضرت ابو ذر غفاری نے فرمایا کہ اے لوگو ! تم میں سے جو مجھے پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ جان لے کہ میں ہی ابو ذر غفاری ہوں۔ آج میں تمہارے سامنے وہ حدیث بیان کرنا چاہتا ہوں جس کو میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔ میں نے یہ حدیث اس وقت سنی تھی جب آنحضرت صلعم عالم سکرات میں تھے۔ اس وقت آپؐ اپنی زبانِ اقدس سے یہ فرما رہے تھے کہ میں تمہارے درمیان دو گرانمایہ چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ یہ دونوں اُس وقت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے جب تک حوضِ کوثر پر مجھ سے نہ مل جائیں۔ حوضِ کوثر پر ایک ساتھ ملنے کی کیفیت ظاہر کرنے کے لئے آپ نے تمثیلاً دونوں ہاتھوں کی تسبیح والی انگلیوں کو باہم ملا دیا۔ پھر دونوں کو خوب برابر کر کے آپؐ نے فرمایا کہ اس طرح۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ میں اس طرح سے نہیں کہتا ہوں کہ کتاب اللہ اور میری عترت ایک دوسرے سے الگ الگ ہو کر آگے پیچھے ملیں گے۔ آپؐ نے آگے پیچھے ہونے کی تمثیل میں اپنے داہنے ہاتھ کی تسبیح والی انگلی اور بیچ والی انگلی کو ملا کر بتایا کہ دیکھو اس طرح نہیں کہ ان

دونوں انگلیوں میں سے ایک آگے ہے اور دوسری پیچھے۔ اس کے بعد رسولِ اکرم نے ارشاد فرمایا کہ یاد رکھو کہ کتاب اللہ اور میری عترت کی مثال تمہارے درمیان کشتئ نوحؑ کی مثال ہے۔ جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جس نے اس کو چھوڑ دیا وہ غرق ہوگیا۔" (دعائم الاسلام، حصّہ اوّل، صفحہ 56)

مُطَهَّرُوْنَ یعنی پاکیزہ ہستیاں :

تفہیمِ قرآن کے سلسلے میں مطہرون اور کتابِ ناطق یعنی بولنے والی کتاب کی قرآنی اصطلاحات پر روشنی ڈالنا بھی مناسب ہوگا۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتَابٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝

(56:77-79)

"یقیناً وہ عزت والا قرآن ہے جو پوشیدہ کتاب میں ہے۔ اُسے کوئی نہیں چھوتا سوائے (اُن کے) جو پاک کر دیئے گئے ہیں۔"

آیت مذکورہ میں قرآن اور کتابِ مکنون (پوشیدہ کتاب) کی اصطلاحات ایک ہی حقیقت کو بیان کرنے کیلئے استعمال کی گئی ہیں۔ یہاں عزت والا قرآن سے مراد قرآنِ پاک نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ کتابی صورت میں ظاہری طور پر موجود ہے جبکہ آیت میں کتابِ مکنون کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر یہ شرط بھی موجود ہے کہ اُسے سوائے ان لوگوں کے جو پاک کر دیئے گئے ہیں اور کوئی چھو نہیں سکتا۔ جبکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآنِ مجید کو ہر شخص نہ صرف یہ کہ چھو سکتا ہے بلکہ ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جب شر پسند عناصر نے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس

پہنچانے کیلئے اس کتاب کے احترام کو پامال بھی کیا ہے۔ یہاں نہ چھو سکنے سے مراد اس کتاب کی علمی گہرائی تک پہنچنے سے قاصر ہونا ہے اور یہ expression روزمرّہ بول چال میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ البتہ مطہرون (پاک کئے گئے مقرب افراد) اس کی حقیقت کو جان سکتے ہیں۔ مطہرون کی تشریح آیۂ تطہیر کے ضمن میں پہلے ہی کی جا چکی ہے۔ اس سے مراد نورِ امامت کے حامل وہ مخصوص ہستیاں ہیں جنہیں کتابِ منیر یعنی روشن کتاب اور کتابِ ناطق یعنی بولنے والی کتاب بھی کہا گیا۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (23:62)

"اور ہم کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے ہیں اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو سچائی کے ساتھ بولے گی اور اُن لوگوں پر کوئی ظلم نہ کیا جائے گا۔"

علامہ محمد سبطین السرسوی اپنی کتاب "مصحفِ ناطق" میں فرماتے ہیں کہ "یہ کتاب جو بین الدفتین ہمارے پاس موجود ہے کون نہیں جانتا کہ یہ کتاب کی صورتِ مکتوبی ہے اور یہ مسلم ہے کہ آنحضرت صلعم پر یہ کتاب اس صورت مکتوبی میں نازل نہیں ہوئی تھی اور نہ صوت و ندا کی صورت میں سنی گئی بلکہ اس کی تعلیم تعلیمِ فیضی (تھی) یعنی قلبِ پیغمبریؐ میں یہ علم من جانب علیمٌ حکیمٌ ودیعت کیا گیا۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ (26:193,194)

"(روح الامین اسے لے کر تمہارے قلب پر اُترا ہے)۔"

اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○

(55:1-4)

" (رحمان نے قرآن سکھایا، اس نے انسان کو پیدا کیا، اُس نے اُسے بیان سکھایا)۔"

وَ اِنَّکَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَکِيْمٍ عَلِيْمٍ ○ (27:6)

"(اور یقیناً تمہیں یہ قرآن البتہ بڑے حکمت والے سب علم رکھنے والے (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے)۔"

دوسرے لفظوں میں آنحضرت صلعم کو عالم بنا کر بھیجا گیا۔ اور اہل علم میں مسلّم ہے کہ علم ملکاتِ نفسانیہ اور صفاتِ روح سے ہے۔ پس علمِ قرآن صفتِ محمدیؐ اور ملکۂ نفسانیۂ محمدیہؐ ہے... روحِ محمدیؐ روحِ علمی و نورانی ہے... علم ایک نور ہے جس کے دل میں بھی اللہ چاہے ڈال دے۔ منبعِ علم ذاتِ واجب الوجود ہے اور ذاتِ واجب الوجود نورِ مطلق ہے۔ پس علم نور ہے اور ذات محمدیؐ نور قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ (5:15) ("یقیناً تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آگئی ہے") لہٰذا حقیقتِ نورانی (و) روحانیٔ محمدیؐ عین علم و عین کتاب اللہ ہے۔ حقیقتِ محمدیؐ کتاب اللہ کا وجودِ حقیقی ہے اور یہ قرآن بین الدفتین وجودِ مکتوبی... محمدؐ کتاب اللہ الناطق اور قرآن کتاب اللہ الصامت۔ اور صامت کا وجود ناطق کے وجود کا تابع بلکہ اس کا ظِلّ (سایہ) ہوتا ہے۔ علم کا وجود بغیر ذاتِ عالم کے معقول نہیں۔ یہ محال ہے کہ علم ہو اور عالم کا وجود نہ ہو۔ چہ جائیکہ کتاب کا وجودِ کتبی۔ پس ذاتِ عالم اصل اور صورتِ کتابی فرع ہے۔ وہ اصل ہے اور یہ اس کا ایک وجودِ ظِلّی۔ اور اس لئے بلاشبہ

حقیقتِ محمدؐ جو حاملِ علمِ الٰہی و معدنِ اسرارِ خداوندی اور محلِ مشیت ایزدی ہے، اصل ہے اور یہ کتاب اللہ صورتِ کتاب، فرع اور ظل اور اس کا وجود وجودِ محمدیؐ پر موقوف ہے۔ اور اس سے صاف نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ کتاب اللہ الصامت کا وجود کتاب اللہ الناطق پر موقوف ہے اور بنا برین یہ ناممکن ہے کہ کتاب صامت موجود ہو اور کتابِ ناطق نہ ہو اور بغیر وجودِ کتاب ناطق وجود صامت غیر کافی۔ کتابِ صامت کتابِ ناطق کے ساتھ ہی مفید و موثر و کافی ہوسکتی ہے۔

"یہیں سے یہ بخوبی ثابت ہوگیا کہ حقیقتِ کتاب اللہ اور قرآن میں فرق ہے۔ قرآن صورتِ اضافی ہے اور کتاب اللہ صورتِ حقیقی۔ اصل کتاب اللہ وجودِ پیغمبریؐ ہے اور اس کے بعد جہاں یہ حقیقتِ علمیہ اسی شان سے موجود اور ودیعت ہے اور قرآن اس کی حقیقتِ مَقْرُوء (پڑھی ہوئی) ہے... یہ قرآن تفصیل ہے کتابِ لَا رَيْبَ فِيْهِ کی۔ کتاب لَا رَيْبَ فِيْهِ بلاشبہ وجودِ محمدیؐ ہوا اور قرآن اس کے اوصاف و کمالات کی تفصیل وتبیین ہے۔ محمدؐ کتاب اللہ ہے اور قرآن اس کی تفسیر۔

"ناظرین اس سِرّ کتاب اللہ میں خوب غور و تامل سے کام لیں اور اس کو بھول نہ جائیں۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (17:9) (بیشک یہ قرآن اس چیز کی طرف ہدایت کرتا ہے جو سب سے سیدھی ہے") اسی واسطے یہ سنتِ الٰہی ہمیشہ جاری رہی ہے کہ کتابِ صامت کے ساتھ کتابِ ناطق ہوتی ہے۔ ہادی حقیقۃً کتابِ ناطق ہے اور وہ وجودِ پیغمبریؐ ہے۔ معلّم دراصل وجودِ نبویؐ ہے۔ تحریری کتاب نہیں بولتی زبانِ رسالت بولتی ہے۔ حقیقتِ کتاب پیغمبرؐ کی صفاتِ ناطقہ ہیں۔ اُن صفات کو کوئی نہیں جان سکتا جب تک کہ پیغمبرؐ خود اس کو بیان نہ کرے۔ جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہوا ہے وہ اس کا بیان ہے..."

(مصحفِ ناطق، صفحات 29، 28)

اپنی پوری تاریخ کے دوران ائمۂ کرام نے اپنے صاحبِ تاویل اور شارح قرآن (interpreter) ہونے کی حیثیت سے بدلتے ہوئے وقت کے تقاضوں کے مطابق قرآنی تعلیمات کو ڈھالنے کے اپنے اختیار پر کبھی بھی کوئی سمجھوتہ (compromise) نہیں کیا کیونکہ یہ شیعہ اسلام کا بنیادی محور ہے۔

اسماعیلیوں کے اُنچاسویں امام نور مولانا شاہ کریم الحسینی حاضر امامؑ ایک انٹرویو میں اپنے اس کردار کی وضاحت یوں فرماتے ہیں :

> **As Imam of the Ismaili sect I am in the position to adapt the teachings of the Qur'an to the modern conditions.** (India today, 1979)

"اسماعیلی فرقے کے امام ہونے کی حیثیت سے ہم قرآنِ پاک کی تعلیمات کو جدید حالات سے ہم آہنگ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔"

الغرض شیعہ تشریح کے مطابق حقیقی قرآن، حقیقی کتاب اللہ، نورِ قرآن، معلّمِ قرآن، خازنِ علمِ قرآن، رَاسِخُونَ فِی الْعِلْم اور وارثِ قرآن دراصل حضور اکرم کی ذات ہے اور آپؐ کے بعد آپؐ کی آلِ پاک میں ہونے والے ائمّہ علیہم السّلام اُس کے وارث ہیں اور وہی زمان و مکان کے تقاضے کے مطابق کتاب کی حقیقت کو ظاہر فرماتے ہیں۔ شیعہ امامی اسماعیلی مسلم اہل بیتِ رسول میں سے ہونے والے زمانے کے امامؑ کے مرید ہیں۔ تمام امور میں حاضر و موجود امام کی طرف ہدایت کے لئے رجوع کرنا اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا اس طریقے کی امتیازی خصوصیت ہے۔

☆

باب ہفتم :

دینِ اسلام کی چند اہم خصوصیات

دین خود سپردگی کا نام ہے :

اسلام کے تصورِ دین کو سمجھنے کیلئے درج ذیل قرآنی آیات ہماری رہنمائی کرسکتی ہیں :اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ (3: 19) "اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔" دین خالقِ حقیقی کے سامنے خود کو جھکا دینے کا نام ہے۔ یہ خود سپردگی (submission) رضاکارانہ ہو نہ کہ کسی بیرونی عناصر کا نتیجہ۔ انسان کا معاملہ دوسرے جانداروں سے یوں مختلف ہے کہ خدا نے انسان کو freewill یعنی اپنے قول و فعل پر اختیار دیا ہے۔ وہ چاہے تو نیکی اور اچھائی کی راہ اختیار کرے اور چاہے تو اسے ٹھکرا دے۔ اب چونکہ وہ اپنے اعمال پہ اختیار رکھتا ہے لہٰذا وہ ہر دو صورتوں میں اپنے اعمال کے نتائج کا ذمّہ دار بھی ہے اور جوابدہ بھی۔ دین کو اپنانے کی یہ آزادی جو قرآنی تعلیمات کی رو سے انسان کو دی گئی ہے جدید دور کے تصورِ آزادیٔ عقیدہ (freedom of faith) سے متصادم نہیں بلکہ اسے تقویت پہنچانے کا باعث ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے کہ :

وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (18: 29)

"اور کہہ دو کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ پس جو چاہے سو ایمان لے آئے اور جو چاہے سو کفر اختیار کر لے۔"

اسی طرح ایک اور ارشاد ہے کہ :

وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّهُمْ جَمِیْعاً ؕ
اَفَاَنْتَ تُکْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ وَ مَا کَانَ لِنَفْسٍ
اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (10:99,100)

''اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں تو ضرور سب کے سب ایمان لے آتے۔ پس کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے یہاں تک کہ وہ مومن ہو جائیں حالانکہ کسی نفس کے لئے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر ایمان لے آئے۔''

حضورِ اکرمؐ جب دین اسلام کا پیغام لے کر آئے تو انتہائی دشوار اور ناسا‌عد حالات کے باوجود جنہوں نے آپؐ کا پیغام قبول کرنا چاہا انہوں نے قبول کیا اور حالات کا مقابلہ کیا۔ جبکہ ایسے بھی لوگ تھے جنہوں نے کفر کی حالت میں مرنے کو اسلام پر ترجیح دی۔

دینِ اسلام میں عقل کا کردار :

دینِ اسلام کی یہ ایک نمایاں خصوصیت ہے کہ وہ عام زندگی میں انسانی عقل و دانائی کے کردار کی اہمیت کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ اپنے پیروکاروں سے یہ توقع بھی رکھتا ہے کہ وہ دینی و دنیاوی ہر دو معاملات میں تفکر و تدبر سے کام لیں گے۔

اسلام محض رسوم و روایات کا مجموعہ نہیں جس پر بلا سوچے سمجھے عمل کیا جائے بلکہ یہ ایک ضابطہ ٔحیات بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تعلیمات کی بنیاد توہم پرستی پر نہیں بلکہ عقلی استدلال پر ہے۔ قرآن شریف بار بار اہلِ دانش کو

اللہ کی اس خوبصورت کائنات پر غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے تاکہ وہ فطرت کے سربستہ رازوں سے پردہ اُٹھا کر تسخیرِ کائنات کا فریضہ انجام دے سکے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ
لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ۚۙ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْداً
وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ
رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذا بَاطِلاً ۚ سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

(3:190,191)

ترجمہ: ''بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے اختلاف میں صاحبانِ عقل کے لئے البتہ نشانیاں ہیں جو اُٹھتے بیٹھتے اور کروٹوں پر (لیٹے) اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں (تو کہتے ہیں کہ) اے ہمارے پالنے والے تو نے یہ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ تیری ذات پاک ہے، پس ہمیں (جہنّم کی) آگ کے عذاب سے بچا۔''

عقل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کردہ ایسا تحفہ ہے جو انسان کو دوسری تمام مخلوقات سے منفرد و ممتاز کرتا ہے۔ یہ عقل ہی ہے جو انسان کو انسان بناتی ہے۔ قرآنِ حکیم میں جس کثرت سے غور و فکر کرنے اور عقل سے کام لینے کی تاکید کی گئی ہے اس سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عقل کے استعمال پر کتنا زور دیتا ہے۔ اگر دین میں عقل کے استعمال کی اجازت نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل عطا ہی کیوں کی ہے؟ یہی وجہ

ہے کہ قرآن ایسے افراد کے لئے اپنی ناراضگی کا اظہار کرتا ہے جو عقل، سماعت و بصارت جیسی نعمتوں کے ہوتے ہوئے بھی غور و فکر نہیں کرتے اور یوں کفرانِ نعمت کے مرتکب بنتے ہیں۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْراً مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ ۝ (7:179)

ترجمہ: ''اور یقیناً ہم نے جنوں اور انسانوں میں سے بہتوں کو جہنم کیلئے پھیلا دیا ہے۔ اُن کے دل (موجود) ہیں، جن سے وہ سمجھتے نہیں۔ اور اُن کی آنکھیں ہیں، جن سے وہ دیکھتے نہیں۔ اور اُن کے کان ہیں، جن سے وہ سنتے نہیں۔ وہ چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ بے راہ۔ یہی لوگ بے خبر ہیں۔''

دوسری جانب ایسے لوگوں کی ستائش کی گئی جو قرآنی احکامات کی اندھی پیروی کرنے کے بجائے انہیں عقل و دانش کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ (25:73)

ترجمہ: ''اور وہ لوگ کہ جب اُن کو اُن کے پروردگار کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی گئی وہ اس پر بہرے اور اندھے ہو کر نہ گر پڑے۔''

دین کے متعلق عام تصور یہ پایا جاتا ہے کہ اللہ کی باتوں کو آنکھیں بند

کر کے قبول کر لینا چاہیے اور ان میں زیادہ سوچنا نہیں چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تابعداری کا یہی انداز پسند ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ لوگ اپنے آبا و اجداد کے طرز پر ہی اَڑے رہیں اور ان کی اندھی تقلید کریں۔ خود اپنے احکام قبول کرنے کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو بہرے اور اندھے بن کر جھک پڑتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عقل و فکر استعمال کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

حضرت علیؑ علیہ السلام ایمان و عقل کے باہمی تعلق کو یوں بیان کرتے ہیں:

ما آمَنَ الْمُؤمِنُ حتیّٰ عَقَل (تجلیات حکمت۔ صفحہ 334)

ترجمہ: '' مومن اس وقت تک ایمان نہیں لایا جب تک وہ عقل مند نہ ہوا۔''

نور مولانا شاہ کریم الحسینی حاضر امام صلوات اللہ علیہ حضرت علیؑ کی انہی تعلیمات کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

" And let me today remind you also of some of the principles of interpretation which Hazrat Ali brought to our interpretation of Islam. One of the essential principles that he brought was that Islam is not a faith only of rote, it is faith of intellect, it is faith of individual search, and it is faith of commitment to others in society. In this intellectual search, Hazrat Ali did not divide faith and intellect. Hazrat Ali said that intellect is another facet of faith." (Moscow 29-1-1995)

ترجمہ: ''اور آج ہم آپ کو تشریح کے چند اصولوں کی بھی یاد دہانی کراتے ہیں جو حضرت علی علیہ السلام نے دین کی ہماری تشریح کے لئے فراہم کئے ہیں۔ ایک اہم اصول جو اُنھوں نے

بتایا وہ یہ تھا کہ اسلام محض رٹنے کا ہی دین نہیں (بلکہ) عقل کا بھی دین ہے، یہ انفرادی جستجو کا دین ہے۔ یہ معاشرے میں دوسرے لوگوں کے لئے ذمہ داری کا دین ہے۔ اس عقلی جستجو میں حضرت علی نے دین اور عقل میں کوئی تفریق نہیں کی۔ حضرت علی نے فرمایا کہ عقل دین کا ایک دوسرا رُخ ہے۔"

اسلام میں عقلِ انسانی کو دی گئی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ شرعی احکامات صرف عاقل و بالغ افراد پر ہی لاگو ہوتے ہیں، کمسن اور نادانوں پر نہیں۔ انسانی عقل مسلسل نمو پذیر رہتی ہے۔ مطالعہ و مشاہدہ انسان کی فکری صلاحیتوں کو مزید نکھارتا ہے اور یوں وہ اشیاء کی ماہیّت و اہمیت کو سمجھتے اور بدلتے ہوئے معروضی حالات کے مطابق خود کو ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے۔

عقلی تلاش و جستجو (intellectual search) کے اسی جذبے کے تحت مسلم مفکرین ، دانشوروں اور اہلِ علم خواتین و حضرات نے تسخیر کائنات کے ضمن میں نئے باب رقم کئے۔ دوسری طرف اسلام کے کثیر الجہت پیغام کو سمجھنے کی سعی کی گئی اور قرآنی تشریحات و تفاسیر کا عظیم علمی ذخیرہ وجود میں آیا۔ اسی علمی و عقلی روایت کا نتیجہ ہے کہ اسلام آج بھی زندۂ جاوید، متحرک اور عملی عقیدہ کی حیثیت سے موجود ہے جس سے ہر دور کا انسان اپنے لئے معنی و مطالب کی نئی جہتیں تلاش کر سکتا ہے۔

دین میں کوئی جبر نہیں :

اسلام کے تصورِ دین کا ایک اور اہم اصول یہ ہے کہ دین میں کوئی زور و زبردستی یا جبر نہیں۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قف لا قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ج (2:256)

"دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ بیشک ہدایت گمراہی سے (الگ ہو کر) واضح ہو گئی ہے۔"

مورخین ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جب رسول پاکؐ نے خود اس قرآنی حکم پر عمل درآمد کو یقینی بنایا اور صحابۂ کرام کو اس بات سے منع فرمایا کہ وہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کریں۔ طبری ایسے واقعات کی نشاندہی کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ جب یہودی قبائل بنونظیر و بنو قینقاع مدینہ چھوڑ کر جانے لگے تو چند یہودی خاندانوں کے ساتھ انصارِ مدینہ کے بچے بھی رہتے تھے۔ اُن کے والدین نے رسولؐ سے اجازت مانگی کہ وہ ان بچوں کو واپس حاصل کر لیں تا کہ وہ بطورِ مسلمان اُن کی پرورش کر سکیں۔ رسولؐ نے جواب دیا لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ دین میں جبر نہیں۔ ایک اور واقعہ مذکور ہے کہ الحسین نامی مسلمان کے دو بیٹوں نے عیسائی تاجروں سے متاثر ہو کر عیسائی مذہب قبول کر لیا اور مدینہ چھوڑ کر عیسائی مبلغین کے ہمراہ شام جانے لگے۔ اس شخص نے رسول اللہؐ سے درخواست کی کہ قافلے کو رُکوائیں اور ان کو اسلام میں دوبارہ داخل کریں۔ رسولِ پاک نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور کہا انہیں اپنی مرضی کے مذہب پر عمل کرنے دو۔

(جامع البیان عن التاویل القرآن، صفحہ 407 - 416)

دین میں کوئی دشواری یا تنگی نہیں :

دین کا مقصد لوگوں کو اعلیٰ اخلاقی اقدار کی طرف رہنمائی فراہم کرنا ہے اور یہ اُس وقت ممکن ہے جب لوگ دین کی تعلیمات و فرائض کو اپنے لئے

بوجھ نہ سمجھیں بلکہ خوشی خوشی اس پر عمل کریں۔ ارشادِ ربانی ہے :

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۝ (22:78)

''اور اس نے دین کے بارے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔''

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۝ (2: 185)

''اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے اور تم پر سختی کرنا نہیں چاہتا۔''

مثلاً روزے کی فرضیت سے، اس کے مناقب و فضائل سے اور اس کے جسمانی، روحانی، اخلاقی اور معاشی فوائد سے کون انکار کر سکتا ہے؟ لیکن جس قدر یہ عبادت سخت ہے اسی نسبت سے اس میں بے شمار سہولتیں بھی رکھی گئی ہیں۔

ایک شخص اپنے شباب سے مغلوب ہو کر روزہ توڑ بیٹھا۔ حضورؐ نے اسے کفارہ ادا کرنے کیلئے ایک قیدی آزاد کرنے کو، پھر دو ماہ مسلسل روزے رکھنے کو اور پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کو کہا۔ اس نے ہر ایک سے معذوری ظاہر کی تو حضور نے خود اسے کھجوروں سے بھرا ایک تھیلا دیا کہ اسے مسکینوں میں تقسیم کر دے۔ اس نے کہا : میرے گھر والوں سے زیادہ کوئی مسکین نہیں۔ حضورؐ نے ہنس کر فرمایا کہ جا پھر تو اور تیرے گھر والے ہی اسے کھا لیں۔ (نسائی عن ابی ہریرہ)

اگر دین آسان ہے تو پھر اس پر عمل کرنے میں آسانی کی روح برقرار رہنی چاہئیے۔ اور اس آسانی کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ دین اسلام کی جتنی بھی تشریحات اور جتنے بھی مذاہب ہیں اُن سب کو اپنے اپنے طریقے پر عمل کرنے میں آسانی میسر آنی چاہئیے اور ان کے لئے کسی بھی جانب سے کوئی تنگی پیدا نہیں کی جانی چاہیے۔ پس آسانی کا یہ تصور کسی بھی مسلمان کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ دین کی اپنی تشریح کسی دوسرے مسلک کے مسلمانوں پر اس طرح نافذ کرنے کی کوشش کرے کہ ان کیلئے اپنے مذہب پر عمل کرنا دشوار ہو جائے۔

دین دل کا سودا ہے :

اگر دین میں کوئی جبر نہیں تو پھر یہ خالق اور بندے کے درمیان قلبی تعلق کا نام ہے۔ مسلم فقہا نے ایمان کی تعریف ''اِقْرَارٌ بِالْلِسَانِ وَ تَصْدِيْقٌ بِالْقَلْب'' کی ہے یعنی زبان سے اقرار کرنا اور دل سے اُس کی تصدیق کرنا۔ اِقْرَارٌ بِالْلِسَانِ کی تصدیق تو ممکن ہے لیکن تصدیق بالقلب کو کیسے پرکھا جائے؟ یہ عین ممکن ہے کہ کوئی شخص زبان سے مسلمان ہونے کا اقرار کرے اور ظاہری طور پر تمام فرائض ادا کرتا ہو لیکن حقیقتہً وہ مسلمان نہ ہو۔ اسی طرح یہ بھی تو ممکن ہے کہ کوئی فرد نامساعد حالات کی وجہ سے اپنے ایمان کو مخفی رکھے، مسلمان ہونے کا اقرار نہ کرے مگر وہ اسلام کی روح کے مطابق زندگی گزارتا ہو۔

دین کے معاملے میں جو بات اہم ہے وہ یہ ہے کہ کسی عقیدے سے رسمی وابستگی سے زیادہ اس عقیدے کی روح اہم ہے۔ ایمان ایک اندرونی فعل (inner act) ہے اور دل کا سودا ہے اور بیشک دلوں کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے۔

دین پر عمل کی ظاہری صورت میں تبدیلی:

اسلام دینِ فطرت ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ دین اور اس کی تعلیمات فطرت کے عین مطابق ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآنِ حکیم میں مومنین کو بار بار مظاہرِ فطرت پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے اور اُن میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں قرار دیتا ہے۔ اگر ہم فطرت پر ایک نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس میں ایک مسلسل روانی ہے، ایک دائمی سفر ہے، ہر چیز میں ایک نشو و نما ہے، ہر چیز اپنے مقام سے آگے بڑھ رہی ہے، کبھی نہ رکنے

والا ایک ارتقائی عمل ہے، ہر طرف خوب سے خوب تر کی جستجو ہے۔ ہر جانب سے یہی بازگشت سنائی دے رہی ہے کہ:

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝ (84:19)

"تم ضرور ایک حالت سے دوسری حالت میں سوار ہو گے۔"

ایک درخت کو لیجئے۔ کبھی یہ ایک چھوٹا سا بیج تھا، آج مختلف ارتقائی منازل طے کر کے ایک تناور درخت کی صورت میں فیض پہنچا رہا ہے اور اس کے پھلوں میں بیج کی صورت میں ایسے اَنگنت درخت موجود ہیں جو ظاہر ہو کر اس ارتقائی عمل میں شامل ہونے کو بے تاب ہیں۔ انسان کو لیجئے۔ ایک مکمل انسان بننے سے پہلے وہ کتنے مراحل سے گزرا ہے۔ خود احسن الخالقین کا فرمان ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ
نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا
الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ
لَحْمًا ۚ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ
الْخٰلِقِيْنَ ۝ (23: 12-14)

"اور یقیناً ہم نے انسان کو گارا مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اُسے ایک محفوظ جگہ میں نطفہ قرار دیا۔ پھر ہم نے نطفے کو جمے ہوئے خون کی ایک پھٹکی بنا دیا۔ پھر ہم نے اس جمے ہوئے خون کی پھٹکی کو ایک لوتھڑا بنا دیا۔ پھر ہم نے اس لوتھڑے کو ہڈیاں بنا دیا۔ پھر ہم نے اُن ہڈیوں پر گوشت پہنا دیا۔ پھر ہم نے اُسے ایک دوسری صورت میں پیدا کیا۔ پس

بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو سب پیدا کرنے والوں سے بہترین ہے۔"

یہ تو جسمانی تخلیق کے مراحل تھے۔ اس کے بعد وہ جسمانی، جذباتی، روحانی اور عقلانی مراحل کی مختلف کیفیتوں سے گزر کر آگے بڑھتا رہتا ہے اور خوب سے خوب تر کی جانب اپنا سفر جاری رکھتا ہے۔ جہاں انسان کی انفرادی زندگی میں یہ ارتقاء پایا جاتا ہے وہاں تمام انسانیت میں مجموعی طور پر ایک عقلی، جذباتی اور روحانی ارتقاء موجود ہے۔ تاریخ انسانیت کے حوالے سے انسان کے ماضی، حال اور مستقبل کی طرف ایک نگاہ کرتے ہی یہ ارتقاء صاف نظر آ جاتا ہے۔ گویا فطرت کے حوالے سے اگر انسان کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ فطرت کا دوسرا نام تبدیلی اور ارتقاء ہے۔

سکون محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات اِک تغیر کو ہے زمانے میں

حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ اَسَّسَ دِيْنَهٗ عَلٰى اَمْثَالِ خَلْقِهٖ لِيُسْتَدَلَّ بِخَلْقِهٖ عَلٰى دِيْنِهٖ وَ بِدِيْنِهٖ عَلٰى وَحْدَانِيَّتِهٖ (وجہ دین، حصہ اوّل، صفحہ 85)

"اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی بنیاد اپنی خلقت کی طرح رکھی، تاکہ اس کی خلقت سے اس کے دین کی دلیل مل سکے اور اس کے دین سے اس کی وحدانیت کی دلیل مل سکے۔"

اگر اللہ تعالیٰ نے دین کی بنیاد فطرت کے مطابق رکھی ہے اور فطرت میں پیہم تغیر و تبدل ہے تو پھر دین پر عمل کرنے کی صورت میں بھی فطرت کے مطابق

چلنے کی لچک موجود ہونی چاہیئے۔ اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ دین کو دنیا میں عمل کرنے کیلئے بنایا گیا ہے یعنی دین اللہ نے ان انسانوں کے واسطے دیا ہے جنہیں اس دنیا میں زندگی گزارنی ہے۔ یہ حیوانوں یا فرشتوں کیلئے نہیں بنایا گیا۔ اگر دنیا زمان و مکان میں مقید ہونے کی بناء پر ہمیشہ تغیر و ارتقاء پذیر ہے تو پھر دین کو بھی اس دنیا میں قابل عمل ہونے کیلئے اس تبدیلی و ارتقاء کے ساتھ مطابقت رکھنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو دین و دنیا کے درمیان تصادم پیدا ہو جائے گا، دین کا مقصد فوت ہو جائیگا اور بنی نوع انسان کی صلاح و فلاح خطرے میں پڑ جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کے آغاز سے ہی وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلاَ فِیْهَا نَذِیْرٌ O (35:24) ”اور کوئی امت ایسی نہیں مگر یہ کہ اس میں ایک ڈرانے والا ہو گزرا“ اور وَ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ O (13:7) ”اور ہر قوم کیلئے ایک ہادی ہے“ کے اپنے قول کے مطابق بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے انبیاء و ائمہ علیہم السّلام کا سلسلہ جاری رکھا۔

آدمؑ سے لے کر خاتم المرسلینؐ تک جتنے بھی انبیاء و ائمہ علیہم السّلام تشریف لائے گو اُن سب نے ایک ہی دین کی تعلیم دی مگر اُن کی تعلیمات اپنے دور کے تقاضے کے مطابق تھیں اس لئے ایک نبی کی شریعت اس اعتبار سے اپنے پیشرو نبی کی شریعت سے مختلف تھی کہ ہر آنے والی شریعت پچھلی شریعت کی ایک ارتقائی اور ترمیم شدہ صورت تھی۔

قرآنِ حکیم کے مطالعے سے بھی یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ نزولِ احکام میں بھی اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کا لحاظ رکھا ہے۔ قرآنِ حکیم کے اسلوبِ نزول کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس میں احکامِ الٰہیہ کا نزول درجہ بدرجہ کیا گیا ہے تاکہ فطرتِ انسانی کے مطابق ہونے کی بناء پر انہیں قبول کرنے

میں انسانی طبیعت عار محسوس نہ کرے۔ مثلاً تحریم شراب کو لیجئے۔ پہلی ہی مرتبہ کسی حکم کے ذریعہ اسے حرام نہیں کیا گیا بلکہ پہلے لوگوں کو ذہنی طور پر اس کے لئے تیار کیا گیا، پھر محدود پابندی عائد کی گئی اور پھر تیسرے حکم کے ذریعے اُسے شیطان کا عمل قرار دے کر اس سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ز وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ط (2:219)

”(اے رسول !) تم سے لوگ شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ تم کہدو کہ اُن دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں اور اُن دونوں کا گناہ اُن دونوں کے فائدے سے بڑھ کر ہے۔“

دوسری آیت جو اس کے کچھ عرصہ بعد نازل ہوئی اس میں ارشاد ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (4:43)

”اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے ہو تم صلواۃ کے قریب نہ جاؤ جبکہ تم نشے کی حالت میں ہو تا اینکہ تم جو کچھ کہتے ہو اُسے سمجھنے لگو۔“

تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ O (5:90)

"اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے ہو، ماسوا اس کے نہیں کہ شراب اور جوا اور بت اور فال نکالنے کے تیر شیطانی عمل کی پلیدی ہیں۔ پس تم اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

تفہیم قرآنِ حکیم کے حوالے سے ناسخ اور منسوخ علومِ قرآن کا ایک مستقل عنوان ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض نئے احکامات کے ذریعہ بعض پرانے احکامات کو منسوخ کر دینا جبکہ دونوں قسم کے احکامات اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ (2:106)

"جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا اس کی یاد اُٹھا لیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اُسی قسم کی لے آتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ جو عَلَّامُ الۡغُيُوب اور ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے، اپنے کسی حکم کو منسوخ کیوں کرتا ہے جبکہ اُسے ہر آنے والی چیز کا علم ہوتا ہے؟ وہ کونسی وجہ ہوتی ہے کہ اُسے اپنے ہی کسی امر سے بہتر امر لانے کی ضرورت پیش آتی ہے؟ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنا حکم زمان و مکان کی حاجت کے مطابق صادر فرماتا ہے اور جب حالات میں تبدیلی واقع ہوتی ہے تو وہ اپنے امر کو بھی بدل دیتا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل دو آیات سے واضح ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ حَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ عَلَى الۡقِتَالِ ؕ اِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ يَغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ ۚ وَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ مِّائَةٌ يَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفًا مِّنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ۝ اَلۡـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنۡكُمۡ وَعَلِمَ اَنَّ فِيۡكُمۡ ضَعۡفًا ؕ فَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ

مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ ۚ وَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ اَلۡفٌ يَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفَيۡنِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ۝ (8:65,66)

"اے نبی! تم مومنوں کو جہاد پر آمادہ کرو۔ اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے بھی ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب رہیں گے کیونکہ یقیناً وہ لوگ ایسے ہیں کہ سمجھتے ہی نہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے تم پر (اس حکم میں) تخفیف کردی اور وہ جانتا ہے کہ تم میں یقیناً کمزوری ہے۔ پس اگر تم میں ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے وہ دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

ان آیات سے یہ ظاہر ہے کہ پہلے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے سے دس گنا کفار سے جنگ کرنے کا حکم دیا اور یہ وعدہ بھی فرمایا کہ اگر مومنین صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ غالب رہیں گے۔ مگر اس کے باوجود، جیسا کہ کلام الٰہی سے ظاہر ہے، مومنین نے کمزوری کا اظہار کیا اور لڑنے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم میں ترمیم کر کے اس میں تخفیف کر دی اور فرمایا کہ اب دو کے مقابلے میں ایک مومن جہاد کرے تو اللہ کے وعدہ کے مطابق وہ غالب رہیں گے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا کلام ایک دائمی پیغام ہے مگر اس حقیقت سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن کا بھی ایک تاریخی پس منظر ہے، اس کے پس منظر

میں بھی ایک سیاق ہے جس سے علیحدہ کر کے قرآن کو نہیں دیکھا جاسکتا کیونکہ احکام ضرورت کے تحت نازل ہوئے ہیں اور ضرورت حالات کی پیداوار ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سلسلۂ وحی منقطع ہونے کے بعد بھی مسلمانوں کو احکامِ شریعت میں تبدیلی و ترمیم کی ضرورت محسوس ہوئی اور دور نبویؐ کے بعد کے چند سالوں میں ہی خلفاء نے ایسے کئی فیصلے دیئے جن سے تبدیلیٔ حالات کے مطابق ڈھل جانے کی ضرورت کا صاف طور پر اندازہ ہوتا ہے۔

تبدیلیٔ احکام کے متعلق ڈاکٹر صبحی محمصانی اپنی کتاب 'فلسفۂ شریعتِ اسلام'' میں لکھتے ہیں کہ:

''ابن خلدون نے کہا ہے کہ دنیا کے حالات اور اقوام عالم کی عادات ہمیشہ ایک حالت پر باقی نہیں رہتیں۔ دنیا تغیراتِ زمانہ اور انقلاباتِ احوال کا نام ہے اور جس طرح یہ تبدیلیاں افراد، ساعات اور شہروں میں ہوتی ہیں اسی طرح دنیا کے تمام گوشوں، تمام زمانوں اور تمام حکومتوں میں واقع ہوتی ہیں۔ اللہ کا یہی طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں ہمیشہ سے جاری ہے۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کی اس انقلاب پذیری کا نتیجہ یہ ہے کہ معاشرۂ انسانی کا معیار بدلنے سے لوگوں کی فلاح و بہبود کے معیار بھی بدل جاتے ہیں اور چونکہ بندوں کی بہتری ہی ہر قانون کی بنیاد ہے لہٰذا عقل کا فتویٰ یہی ہے کہ زمانہ اور معاشرہ کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ احکامِ شرع میں بھی مناسب اور ضروری تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ نیز وہ اپنے گردو پیش کے

اجتماعی حالات سے بھی متاثر ہوتے رہیں۔

''ابن القیم جوزیہ نے اس اصول کے اثبات میں کیا خوب کہا ہے کہ 'احکام کی تبدیلی اختلاف زمان، مکان، احوال، نیت اور عاداتِ انسانی کے اختلاف کے ساتھ وابستہ ہے۔' انہوں نے اسی واضح حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ معاشرۂ انسانی اور قانون کا باہمی رشتہ نہ جاننے کے باعث لوگوں میں ایک غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے جس نے شریعتِ اسلامی کا دائرہ بالکل محدود کردیا ہے۔ حالانکہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ جس شریعت میں مصالح انسانی کا سب سے زیادہ لحاظ رکھا گیا ہو اس میں ایسی تنگ نظریوں کی گنجائش نہیں۔'' (صفحہ 165-164)

دین و شریعت میں فرق:

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی اپنی کتاب ''اسلام۔ دین آسان'' میں لکھتے ہیں:

''... دین اور شریعت کے فرق کو آسان لفظوں میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ زندگی کے وہ بنیادی حقائق و اصول جو قانونِ فطرت کی طرح اَٹل اور غیر مبدّل ہوتے ہیں وہی دین ہیں جن کو آج کل کی اصطلاح میں 'اقدارِ حیات' کہتے ہیں۔ یہ ایک مجرد یعنی ذہنی اور معنوی شے ہے۔ یہی چیز جب محسوسات میں جلوہ گر ہوتی ہے تو اُس مشہود شکل و صورت کو شریعت کہتے ہیں۔ یہ دراصل ایک ڈھانچہ ہے جس کو وہ معنویت اختیار کرلیتی

ہے... یہ شکل بلاشبہ ایک شریعت ہے لیکن یہ دین یعنی اظہارِ عبودیت کی طرح غیر مبدّل نہیں بلکہ احوال و ظروف، اختلافِ زمان و مکان، صلاحیتِ ادا اور دوسرے انفرادی و اجتماعی حالات کا جیسا بھی تقاضا ہوگا اسی کے مطابق اس شریعت میں بھی تبدیلی واقع ہو جائے گی... دین یعنی اظہارِ عبودیت سب میں یکساں درجہ رکھتا ہے اور اس میں تغیر و تبدّل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن شریعت یعنی طریقِ ادا اپنے وقتی تقاضوں کے مطابق ہر جگہ ہیئت بدلتا رہتا ہے اور اس تبدیلی سے اصل دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا... خلاصہ یہ ہے کہ دین اصل اقدارِ حیات کے لحاظ سے تو کلمات اللہ یا خلق اللہ کی طرح غیر مبدّل ہے اور شریعت ایسا متحرک قانون ہے جو صرف مجبورانہ احوال و ظروف کے تقاضوں سے ہی نہیں بلکہ منزلِ ارتقا کی طرف بڑھنے کیلئے بھی اپنی شکل بدلتا رہتا ہے۔ غرض دین مبدّل (بدلنے والا) نہیں اور شریعت جامد نہیں...

"(شریعت میں) یہ گنجائشِ تبدیلی صرف اس لئے رکھی گئی ہے کہ دین کو یُسر (آسان) بنانا مقصود تھا۔ اگر شریعت عُسر (مشکل) ہو تو دین بھی عُسر ہو جاتا ہے اور وہ یُسر ہو تو یہ بھی یُسر ہو جاتا ہے۔ دین کی روح باقی رہے تو شریعت کے اَشکال (شکلوں) و صُوَر (صورتوں) میں تبدیلی سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ لیکن اگر شریعت ہر حال میں غیرمبدّل اور جامد رہے تو دین سراسر عُسر بن جائے گا۔ قانون (شریعت) کا تو مقصد ہی

دین میں آسانیاں پیدا کرنا ہے۔ وہ قانون ہی کیا ہوا جو زندگی میں دشواریاں، مشکلات اور صعوبتیں پیدا کرے؟... شریعت صرف اُن ہی احکام کا نام نہیں جو کتابوں میں لکھے جاچکے ہیں بلکہ زمان و مکان اور دوسرے احوال و ظروف کے تقاضوں سے کسی حکم کو بدل دینا بھی شریعت ہی میں داخل ہے۔ جس دین کا نام اسلام ہے وہ کوئی متعین اور غیرمبدّل شکل و صورت نہیں بلکہ وہ صرف ایک اعلیٰ مرکزی رجحان ہے۔ اس رجحان کی جو تشکیل عہدِ رسالت میں ہوئی یا خلافتِ راشدہ تک رہی اس سے بہتر شکل اُس ماحول میں ممکن ہی نہ تھی۔ لیکن اسے کون نہیں جانتا کہ عہدِ رسالت کے بہت سے وقتی فیصلے خود عہدِ رسالت ہی میں بدلے گئے اور حضورؐ کے بعد عہدِ رسالت کی بہت سی چیزیں تبدیل کردی گئیں۔ یہ تبدیلیاں شرعی تبدیلیاں تھیں دینی نہ تھیں۔ یہ تبدیلیاں خود بتاتی ہیں کہ کسی ضرورت کے پیشِ نظر تبدیلِ قانون بھی قانونِ شریعت ہی ہے بشرطیکہ اس تبدیلی ہی میں خیر ہو جو اصل رجحانِ دین ہے۔

"ہمارے معاشرے کو آج جتنی دینی پیچیدگیاں، دقتیں اور مشکلیں پیش آرہی ہیں اُس کا اصل سبب صرف یہ ہے کہ دین اور شریعت دونوں کو یکساں غیر مبدّل اقدار تصور کرلیا گیا ہے۔ یہی عُسر کا اصل سبب ہے۔ دین کی حکمت، رحمت، عدل اور یُسر سب کچھ اس پر موقوف ہے کہ شریعت میں جو توسّع (وسعت) و تیَسّر (آسانی) رکھا گیا ہے اُسے آج بھی اور آئندہ بھی باقی رکھا

جائے اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔

"یہ ہوسکتا ہے کہ کسی دور میں جاگیرداری اجتماعی مفادات کیلئے مضر نہ ہو، اس وقت جاگیرداری کو باقی رہنے دینا ہی شریعت ہوگا۔ لیکن عین ممکن ہے کہ دوسرے دور میں جاگیرداری معاشرے کیلئے سَم قاتل (زہرِ قاتل) ہو اس وقت اُسے کلیۃً ختم کردینا ہی عین شریعت ہوگا۔ اسی طرح یہ ممکن ہے کہ ایک دور میں تعدُّدِ ازواج (ایک سے زیادہ بیویوں کا ہونا) ضروری ہو۔ اُس وقت یہی شریعت ہوگا۔ پھر کسی دوسرے دور میں یہ ممکن ہے کہ توحّد ازواج (ایک بیوی کا ہونا) ہی شریعت قرار پائے۔ شریعتِ مستقلّہ نہ وہ ہے نہ یہ۔ وہ بھی مبدّل تھی اور یہ بھی مبدّل ہوگی۔ یوں ہی غلامی کا رواج ایک دور میں شریعت کا جائز قانون ہوسکتا ہے اور دوسرے دور میں اُسے ختم کردینا ہی شریعت ہوگا۔ جس دور میں جون سی شکل 'خیرِ غالب" کا پہلو رکھتی ہوگی وہی شریعت ہوگی۔" (صفحہ 13-8)

شرعی تبدیلیوں کی مثالیں:

مندرجہ ذیل چند مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دورِ نبوی کے چند سال بعد ہی حالاتِ زمانہ بدلنے سے احکامِ شریعت میں تبدیلی کی ضرورت پیش آئی اور ایسا کرنے سے دریغ نہیں کیا گیا:

اَلْمُؤَ لَّفَۃُ قُلُوْبُھُمْ: (جن کی تالیفِ قلب کی گئی ہو)

سب جانتے ہیں کہ قرآن کریم نے صدقہ و خیرات کا مصرف اس آیہ

کریمہ میں معیّن کردیا ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْھَا وَ الْمُؤَلَّفَۃِ قُلُوْبُھُمْ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ط فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ ط (9:60)

"یعنی صدقات تو حق ہے صرف غریبوں کا، محتاجوں کا، صدقہ وصول کرنے والوں کا، اُن نومسلمانوں کا جن کی دلجوئی منظور ہے، غلاموں کے آزاد کرانے میں، قرض داروں کے لئے، اخراجات جہاد میں اور مسافروں کی مدد کرنے میں۔ یہ حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے۔"

مُؤَلَّفَۃُ قُلُوْبُھُمْ وہ لوگ تھے جنہیں نبیؐ اس لئے خیرات عطا فرمایا کرتے تھے تاکہ دلجوئی کرکے انہیں اسلام پر قائم رکھیں۔ دلجوئی خواہ ان کے ضعفِ ایمان کے سبب سے ہو یا اُن کا شر دفع کرنے کی غرض سے یا اُن کے قبیلہ میں اُن کے مرتبے کے پیش نظر۔ باوجود اس صریح نَصِ قرآنی کے حضرت عمر بن خطاب نے **مُؤَلَّفَۃُ قُلُوْبُھُمْ** کا حصّہ موقوف کردیا اور اُن سے کہا کہ یہ وظیفہ رسول اللہ صلعم تمہیں اس لئے عطا فرماتے تھے کہ تمہاری دلجوئی کرکے تمہیں اسلام پر قائم رکھیں۔ لیکن اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو طاقت ور بنا دیا ہے اور تم سے بے نیاز کر دیا ہے۔ پس اگر اسلام پر قائم رہو تو تمہارے لئے بہتر ہے ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ ہم اسلام کے معاوضے

میں تمہیں کچھ نہ دیں گے لہٰذا جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر ہو جائے۔

پس اس زمانے میں یہ حکم اشاعتِ اسلام اور اُسے مدد پہنچانے کی مصلحت پر مبنی تھا۔ جب اسلام طاقتور ہوگیا تو یہ ضرورت ختم ہوگئی چنانچہ حضرت عمر بن خطاب نے اس حکم کو منسوخ کر دیا جو اس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے دیا گیا تھا۔

طلاق:

جب شوہر اپنی بیوی کو ایک ہی نشست میں تین بار طلاق دے دے تو رسول اللہ صلعم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے اوائل خلافت میں وہ ایک ہی طلاق شمار ہوتی تھی اور اس وقت یہی طریقہ رائج تھا اور بعد میں اسی پر اجماع ہوگیا تھا۔ باوجود اس کے حضرت عمر بن خطاب نے ایسی طلاق کو طلاقِ بائن قرار دیا گویا مرد کے لفظوں کے مطابق تین طلاقیں۔ وجہ یہ تھی کہ جب حضرت عمر بن خطاب نے دیکھا کہ لوگوں نے اس قسم کی طلاق کو ایک کھیل بنا لیا ہے اور ایسی طلاقیں بکثرت دی جانے لگی ہیں تو آپ نے انہیں سزا دینے اور بُری عادت سے روکنے کی غرض سے یہ تبدیلی کردی۔

اُمَّھَاتُ الْاَوْلاد کو فروخت کرنا:

امہات الاولاد وہ لونڈیاں کہلاتی ہیں جن کے ہاں اپنے آقا سے اولاد پیدا ہو جائے۔ ایسی لونڈیوں کی بیع (فروخت) نبی صلعم اور حضرت ابوبکر

کے دور میں جائز تھی لیکن حضرت عمر بن خطاب نے یہ فرماتے ہوئے ان کی بیع ممنوع قرار دی کہ خالطت دمائنا دمائهن یعنی ہمارے خون اُن کے خون سے مخلوط ہوگئے ہیں۔

چوری:

شرع اسلامی میں چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے بروئے آیت

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا... (5:38)

"اور چور مرد اور چور عورت پس دونوں کے ہاتھ کاٹو..."

اور بدلیل سنتِ نبویؐ قولی و فعلی۔ لیکن حضرت عمر بن خطاب نے قحط کے سال لوگوں کی ضرورت اور اُن کی بقا کے پیش نظر اس سزا کو موقوف کردیا اور اسی پر فقہا کا اجماع ہے۔

زنا:

غیر شادی شدہ زانی کی سزا جمہورِ فقہا کے نزدیک سو کوڑے اور پورے ایک سال کی جلاوطنی ہے اور شہر بدر کرنا حدیثِ مشہور سے ثابت ہے لیکن باوجود صریح نص کے حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ آپ نے ربیعہ بن امیہؓ بن خلف کو شہر بدر کیا تو وہ رومیوں سے جا ملا۔ اس پر حضرت عمر بن خطاب نے کہا **لا اغرب بعدها احدا** یعنی "اس کے بعد میں کبھی کسی کو شہر بدر نہ کروں گا۔" آپ کا یہ فیصلہ اس غرض سے تھا کہ مسلمان دشمنوں سے نہ جا ملیں۔ حالانکہ یہ فیصلہ نصِ صریح کے بالکل خلاف ہے۔

تعزیر (سزا):

تعزیر کے شرعی معنی اس سزا کے ہیں جو حاکمِ وقت تادیباً کسی ایسے جرم کیلئے تجویز کرتا ہے جس کیلئے شرعِ اسلامی میں کوئی سزا مقرر نہ ہو۔ حدیث میں وارد ہے کہ **لایجلد فوق عشر جلدات اِلاّ فی حد من حدود اللّٰہ** یعنی ''کسی جرم میں دس کوڑوں سے زیادہ سزا نہ دی جائے سوائے اُن سزاؤں کے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں۔'' اس نصِ صریح کے باوجود حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ آپ نے اس شخص کو سو کوڑوں کی سزا دی تھی جس نے بیت المال کی جعلی مہر بنائی تھی۔

بعض فقہاء نے حدیثِ مذکور کو منسوخ قرار دیا ہے لیکن امام مالک کے اصحاب نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ حدیث نبی صلعم کے زمانے کیساتھ مخصوص ہے لہٰذا اور زمانوں میں قابلِ عمل نہیں ہوسکتی۔ ائمہ مذکورین کے اقوال سے یہ واضح ہوگیا کہ بعض منصوص اَحکام وقتی ہوتے ہیں جو زمانے کیساتھ بدلتے رہتے ہیں۔

عَاقِلَۃُ الدِّیہ (خون بہا کے ذمہ دار لوگ):

سب جانتے ہیں کہ بعض اوقات خون بہا کی ادائیگی ایک خاص جماعت پر شرعاً واجب ہوتی ہے اور یہ خاص جماعت رسول اللہ صلعم کے عہد میں قاتل کا قبیلہ ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ مدرسہ حجاز کے فقہا کا بھی یہی دستور العمل رہا۔

لیکن حضرت عمر بن خطاب کے زمانے میں یہ طریقہ بدل گیا۔ کیونکہ جب

آپ نے فوج اور دیوان کی تنظیم کی اور تمام جنگی طاقت قبائل سے منتقل ہوکر محکمۂ فوج کے ہاتھ میں آگئی تو آپ نے عہد نبویؐ کے طریقے کے خلاف مقتول کا خون بہا قاتل کے قبیلے پر سے ساقط کردیا اور اہلِ دیوان کے ذمہ ڈال دیا۔ چنانچہ آپ ہی کی رائے کو عراق کے فقہانے بھی اختیار کیا۔'' (فلسفۂ شریعت اسلام، صفحہ 174-170)

تشبیب (قصیدہ کی ابتدا عاشقانہ انداز میں نظم کرنا):

عہدِ رسالت میں شعراء اپنے کلام کی ابتدا ہی عموماً تشبیب سے کرتے تھے۔ کعب بن مالک کی نعت (قصیدۂ بانت سعاد) کا آغاز ہی ایک عورت ''سعاد'' کے ذکر سے ہوتا ہے۔ یہ قصیدہ سب سے پہلی نعتِ نبویؐ شمار کیا جاتا ہے لیکن حضرت عمر نے اپنے دورِ خلافت میں کسی عورت کا نام لیکر تشبیب کرنے کو قطعاً روک دیا اور اس کیلئے کوڑوں کی سزا مقرر کی۔

ہجو کرنا (مذمت یا بدگوئی کرنا):

جب قریش نے اسلام، اہلِ اسلام اور خود آنحضرت صلعم کی شان میں ہجویہ اشعار کہنے شروع کئے تو حضورؐ نے حسان بن ثابت کو جوابی ہجو کی اجازت دی لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں یہ حکم جاری کیا کہ ان اشعار کو زبان پر نہ لایا جائے کیونکہ اُن سے گزشتہ رنجشیں تازہ ہوجاتی ہیں۔ (آغانی، تذکرۂ حسان بن ثابت)

شرابی کی تعزیر:

حضرت ابوبکر کے دور تک شرابی کی تعزیر چالیس (۴۰) دُرّے تھی، حضرت

عمر نے اسی (۸۰) کردیا اور حضرت عثمان نے دونوں ہی پر مختلف اوقات میں عمل کیا۔

قیدی کا فدیہ:

غزوۂ تبوک میں حضورؐ نے ہر قیدی کا فدیہ ایک دینار مقرر فرمایا تھا لیکن حضرت عمر نے مختلف ممالک میں مختلف شرحیں مقرر کیں۔

مفتوحہ زمینیں:

حضورؐ کے عہد میں بعض مفتوحہ زمینیں (مثلاً خیبر) مجاہدوں میں تقسیم کی گئیں لیکن حضرت عمر نے اپنے عہد میں اسے ختم کردیا۔ (کتاب الخراج)

حلالہ کرنے والا:

(حلالہ یعنی طلاق دی ہوئی عورت کا عارضی نکاح کرنا تاکہ دوسرے شخص سے نکاح کرنے کے بعد اپنے پہلے خاوند سے پھر نکاح کرسکے)۔ حلالہ کرنے والے اور کرانے والے کو حضورؐ نے ملعون قرار دیا تھا اس کیلئے نہ قرآن میں کوئی حد ہے اور نہ حدیث میں کوئی تعزیر۔ لیکن حضرت عمر نے اپنے دور میں اعلان کیا کہ "حلالہ کرنے والے اور کرانے والے دونوں کو میں سنگسار کروں گا۔"

تراویح:

حضورؐ نے کبھی پورے رمضان میں بیس رکعت اور وہ بھی باجماعت تراویح نہیں پڑھی۔ دورِ ابوبکر میں بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ لیکن حضرت عمر نے اپنے دور میں اس کا باقاعدہ اہتمام کردیا اور وہ اب تک رائج ہے۔

عرب کا غلام ہونا:

حضورؐ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ کوئی عرب غلام نہیں بن سکتا لیکن حضرت عمر نے رسمِ غلامی کو ختم کرنے کے لئے یہ پہلا قدم اُٹھایا۔

خراج:

حضورؐ نے کاشت اجناس کی شرح خراج بالتفصیل نہیں بتائی۔ حضرت عمر نے اپنے عہد میں بالتفصیل ہر جنس کے متعلق خراج کی شرح مقرر کی۔

حضرت عمر کی اولیات:

حضرت عمر کی تمام اولیات کو بھی جن کی تعداد کم و بیش نصف صد ہے اسی میں داخل سمجھنا چاہئے مثلاً تجارتی گھوڑوں پر اور دریائی پیداوار (عنبر وغیرہ) پر زکواۃ قائم کرنا وغیرہ۔ اسی طرح اور بھی بیسیوں فقہی مسائل ہیں۔

جمعہ کی اذان:

حضورؐ سے لیکر حضرت عمر کے عہد تک جمعے کی ایک ہی اذان (قبل از خطبہ) ہوا کرتی تھی مگر جب تمدن وسیع ہوگیا اور کاروبار تجارت میں خاصہ پھیلاؤ پیدا ہوگیا تو حضرت عثمان نے اپنے دور میں ایک اور اذان کا اضافہ کردیا جو اب تک رائج ہے۔

کتابیہ (اہل کتاب) سے نکاح:

حضرت عثمان کے عہد تک کتابیہ سے نکاح کا رواج (اجازتِ قرآنی کے مطابق) تھا لیکن حضرت علیؓ نے اپنے عہد میں مسلمانوں کو بعض فتنوں کے

اندیشے کی وجہ سے اس سے روک دیا۔" (اسلام دین آسان صفحہ 14-16)

تحفہ قبول کرنا:

تبدیلیٔ سنت کی مثالوں میں سے ایک بخاری کی روایت ہے جو انہوں نے خلیفہ عمر بن عبد العزیز سے روایت کی ہے کہ خلیفہ مذکور نے کہا کہ: **كانت الهدية فى زمن رسول الله صلعم هديه واليوم رشوه** یعنی "ہدیہ رسول اللہ صلعم کے زمانے میں ہدیہ تھا اور آج وہ رشوت کے حکم میں ہے۔"

واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلعم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بن خطاب لوگوں کا تحفہ قبول کرتے تھے مگر عمر بن عبدالعزیز نے ہدیہ قبول نہ کیا اور اُسے ایک قسم کی رشوت سمجھ کر اس کا لینا بُرا سمجھا۔" (فلسفہ شریعت اسلام، صفحہ 174)

"مثالیں کہاں تک پیش کی جائیں؟ مختصر یہ کہ عبادات سے لیکر معاملات تک میں بیسیوں ترمیمات محض اس لئے ہوتی رہی ہیں کہ تمدّن کی وسعت کا، زمان و مکان کے اختلاف کا اور بدلتے ہوئے حالات کا تقاضا یہی تھا کہ بعض قانون میں ایسا حک و اضافہ کیا جائے کہ اس کی شکل و صورت تو مختلف ہو جائے لیکن اس کی روح اور مقصد اسی طرح باقی رہے۔ یہ ساری شرعی ترمیمات بھی داخلِ شریعت تھیں...

"ذرا دیر کے لئے بڑی سنجیدگی سے غیر جانب دار ہوکر غور فرمائیے کہ عہدِ رسالت سے بہتر دور اور جماعتِ صحابہ سے بہتر امت آسمان کی

آنکھوں نے کبھی نہ دیکھی۔ وہ دور بھی انتہائی سادگی کا دور تھا اس کے باوجود رسول اکرم صلعم کے بعد ہی تیس (۳۰) سال کے بہترین دورِ راشد میں بیسیوں شرعی ترمیمات ہوئیں تو کیا اس کے بعد آج تیرہ صدیوں میں کبھی کسی شرعی ترمیم کی ضرورت نہ ہوئی ہوگی؟ درآنحالیکہ کہ ہزاروں مسائلِ زندگی ایسے پیدا ہوگئے ہیں جن کا پہلے کوئی وہم و گمان بھی نہیں کرسکتا تھا۔ آج بیسیوں قدریں بدل گئیں، زمان و مکان کے نظریے تبدیل ہوگئے، زمانہ سمٹ گیا، زمین سکڑگئی، سیاروں کے فاصلے اور سمندر کی گہرائیاں ناپ لی گئیں، برق و باد اور آب و آواز کی رفتار نے اپنے پیمانے بتا دیئے۔ زمین و آسمان نے اپنے مخفی خزانے اُگل دیئے۔ کائنات کے بے شمار پوشیدہ راز انسانی قبضہ و تسخیر میں آگئے، علوم و فنون نے اپنے دائرے وسیع تر کردیئے اور تمدن و تہذیب نے نئی کروٹیں لے لیں۔ سوچئے کیا آج ہمیں کسی شرعی گوشے میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کی ضرورت نہیں؟ یاتو یہ تسلیم کیجئے کہ اِن مسائلِ زندگی سے شریعت کا کوئی تعلق نہیں، لہٰذا مسائل خواہ کوئی سی صورت اختیار کریں لیکن شریعت جوں کی توں رہے گی۔ یا پھر اس کے قائل ہو جایئے کہ حالات و مسائل کے تقاضے سے شرعی قوانین نئی شکل بدل سکتے ہیں۔ پہلی صورت میں خلفائے راشدین کی ترمیمات کی توجیہ میں شدید دشواریاں پیش آئیں گی لہٰذا دوسری ہی صورت کو صحیح تسلیم کرنا چاہئے جو ہمارا مدّعا ہے ورنہ دین یسر (آسان) نہیں رہ سکتا بلکہ سراسر عسر (مشکل) ہو جائے گا۔" (اسلام دین آسان صفحہ 16)

مندرجہ بالا طویل بیان سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ قرآن و سنت کی رُو سے بھی یہ حقیقت واضح ہے کہ دین کی ظاہری شکل و صورت میں وقت کے ساتھ تبدیلی ناگزیر ہے کیونکہ اس کے بغیر دین دنیا کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ مندرجہ بالا مثالوں میں ہم نے یہ بھی دیکھا کہ عوام کے منتخب کردہ خلیفہ نے نص قرآنی و حدیث نبویؐ کے خلاف فیصلہ دینے سے بھی دریغ نہیں کیا۔

اسماعیلی دوسرے شیعہ مکاتب کی طرح یہ باور کرتے ہیں کہ جس طرح دین اللہ کے امر کے مطابق رسول اکرمؐ کے فرمان سے نافذ ہوا اسی طرح اس کے ظاہری خد و خال میں ترمیمات بھی وہی کرسکتے ہیں جو اللہ کے فرمان کی حکمت اور راز سے واقف ہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے رُوئے زمین پر اپنا امر عطا فرمایا ہے اور جنہیں رسول اکرم صلعم نے بابِ مدینۃ العلم قرار دیا ہے۔ کیونکہ کتاب اللہ کے علم کا احاطہ کرنا ہر انسان کیلئے ممکن نہیں۔ شیعہ امامی اسماعیلی عقیدے کے مطابق یہ اختیار دورِ نبوی کے بعد ہر زمانے کے امام کو حاصل ہے۔

☆

باب ہشتم :

مذہبی رواداری وقت کی اہم ضرورت

مسلمان دُنیا کی آبادی کا مجموعی طور پر ایک چوتھائی بنتے ہیں۔ قدرتی وسائل سے مالا مال اور معدنی ذخائر کی فراوانی اور افرادی قوت کے باوجود اُمّتِ مسلمہ گونا گون مصائب میں مبتلا اور مشکلات میں گھری نظر آتی ہے۔ معاشرتی ناہمواری، سیاسی عدم استحکام اور غیر منصفانہ اقتصادی نظام نے جہاں طبقاتی کشمکش کو ہَوا دی ہے وہاں غربت و افلاس کے مسائل نے لوگوں کو بے حال کردیا ہے۔ بھوک، بیماری، بے روزگاری اور بڑھتی ہوئی ناخواندگی نے ہمیں اس قابل بھی نہیں رکھا کہ ہم قوموں کی برادری میں باعزت مقام حاصل کرسکیں۔ ان حالات کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ کرتے اور اپنی پوری توانائی ان گمبھیر مسائل سے نمٹنے کیلئے صرف کرتے تاکہ خوشحال اور آسودہ زندگی گزارنے کا خواب پورا ہوسکتا مگر وائے افسوس کہ فرقہ وارانہ انتشار اور مذہبی منافرت نے تقسیم در تقسیم کا ایسا عمل شروع کر دیا جس نے نہ صرف ہمیں کمزور کر دیا بلکہ آپس کی نفرتوں نے ہمیں اس مقام پر پہنچا دیا ہے کہ ہمیں بیرونی دشمنوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہی۔ ہم نے اپنی تباہی و بربادی کے سامان خود ہی پیدا کر لئے ہیں۔

اہلِ فکر و دانش کو اس جانب توجہ دینے کی ضرورت ہے تاکہ تحمل و برداشت و رواداری کے حقیقی اسلامی پیغام کو پھیلا کر اخوت و بھائی چارے کے ماحول کو فروغ دیا جا سکے۔

زیرِ نظر باب میں اسلام کے کیا معنی ہیں اور مسلمان کون ہیں، جیسے

بنیادی سوالات کو قرآنی تعلیمات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اسلام کیا ہے؟

اسلام کے معنی خود سپردگی کے ہیں۔ خدائے ذوالجلال کو اپنا خالق و پروردگار مانتے ہوئے برضا و خوشی اس کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے اور خود کو جھکا دینے کا نام اسلام ہے جبکہ مسلم اسم فاعل ہے یعنی ہر وہ شخص جو اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرتے ہوئے اس کی اطاعت و فرمانبرداری کیلئے خود کو پیش کر دے مسلم کہلائے گا۔

”عربی زبان کی کتبِ لغت کے اعتبار سے اسلام کے معنی ہیں انقیاد و اطاعت کرنا، سپردگی اور گردن جھکانا، تواضع اور انکسار سے کام لینا۔ اس لحاظ سے مسلم کے لغوی معنی ہوئے مُطیع و مُنقاد، سرِتسلیم خم کرنے والا اور عجز و تواضع سے کام لینے والا۔“

(دائرۂ معارفِ اسلام، جلد 21، ذیل مقالہ مسلم)

اسلام کی اصطلاح کسی خاص خطے اور وقت تک محدود نہیں بلکہ یہ اللہ کے پیغام کی آفاقی نوعیت کو تسلیم کرتے ہوئے تمام الہامی مذاہب کا احاطہ کرتی ہے۔ قرآنِ مجید کا خدا رب المسلمین نہیں بلکہ رب العالمین ہے یعنی تمام مخلوقات کا رب ہے، قرآنِ مجید کے مطابق :

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○ (2:115)

”اور اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں مشرق اور مغرب پس جس طرف تم منہ

پھیرو گے وہیں خدا کا چہرہ ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا بڑا ہی جاننے والا ہے۔“

تمام انسانوں کے رب نے کسی بھی قوم کو جہالت و گمراہی کے اندھیروں میں نہیں چھوڑا بلکہ ہر قوم کو بلاامتیاز اپنے بھیجے ہوئے ہادی اور ہدایت کے ذریعے منور کیا تاکہ کسی کے پاس یہ حجت نہ رہے کہ ہم تک اللہ کا پیغام اور ہدایت نہیں پہنچی۔

تمام انبیائے کرام اللہ کی جانب سے ایک ہی مشن لے کر آئے البتہ ہر نبی نے اپنے معاشرتی و ثقافتی پس منظر (socio- cultural context) میں اس کی ترویج کی۔ دیگر تمام ادیانِ عالم کے وجود کو تسلیم کرنا قرآنی تعلیمات کا ایسا سنہرا اصول ہے جو تحمل و برداشت و رواداری پر مبنی عالمگیر انسانی معاشرے کیلئے بنیاد فراہم کرتا ہے جہاں مختلف مذاہب کے ماننے والے ایک دوسرے کو اپنا دُشمن و رقیب نہیں بلکہ دوست اور اتحادی تصور کریں۔ مسلمانوں کی تاریخ میں ایسی کئی درخشاں مثالیں موجود ہیں۔ قرطبہ (موجودہ اسپین) پر جب مسلمانوں نے حکومت کی تو یہودیوں اور نصرانیوں کو قتل و غارتگری کا نشانہ نہیں بنایا نہ ہی انہیں جلاوطن ہونے پر مجبور کیا بلکہ اہلِ کتاب ہونے کے ناطے سے نہ صرف انہیں عزت و احترام کا مستحق سمجھا گیا بلکہ ان کے ساتھ کاروباری و معاشرتی تعلقات بھی قائم کئے گئے۔

اسلام جب دیگر ادیان کے ساتھ ہم آہنگی اور یگانت کا اس قدر پرچار کرتا ہے تو پھر ایک ہی کلمہ پڑھنے والوں کے درمیان رقابت کو کیسے قابلِ قبول اور جائز کہا جا سکتا ہے؟ کسی کو مسلم یا غیر مسلم قرار دینے سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن میں مسلم یا مسلمون کی اصطلاح کہاں کہاں اور کن کیلئے استعمال کی گئی ہے۔

مسلمان کون ہیں ؟

سورہ آل عمران میں توحید پر ایمان، انبیائے کرام پر ایمان اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھیجے گئے پیغام یعنی وحی الٰہی پر ایمان لانے کو مسلمان کی بنیادی خصوصیات کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (3: 83,84)

''کیا یہ اللہ کے دین کے علاوہ (کسی اور دین کو) چاہتے ہیں حالانکہ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہیں خوشی سے اور بے اختیاری سے اسی کے فرمانبردار ہیں، اور اُسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ (اے رسول) کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا، اور جو کچھ نازل کیا گیا ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اسباط پر۔ اور اس پر بھی جو اپنے ربّ کی طرف سے موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السّلام اور نبیوں کو دیا گیا۔ ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے۔ اور ہم تو اسی کے فرمانبردار ہیں۔''

حضرت ابراہیم مسلمان تھے :

قرآنِ حکیم میں حضرت ابراہیمؑ کے حوالے سے ارشاد ہے کہ :

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (2:131)

''(وہ وقت یاد کرو) جبکہ اس کے ربّ نے اسے کہا کہ اسلام کا اظہار کر اس نے کہا کہ میں جہانوں کے ربّ کا فرمانبردار ہوں۔''

اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کے حکم پر یہ اعلان فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو تمام جہانوں کے پالنے والے کے سپرد کر دیا۔ اسی حوالے سے قرآنِ مجید میں ایک اور مقام پر آپ کو حَنِيْفًا مُّسْلِمًا (3:68) یعنی ''باطل سے کترا کر چلنے والا سچا مسلمان'' کہا گیا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے جب خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تو اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائی کہ ہم دونوں کو مسلمان بنائے رکھنا اور ہماری اولاد کو بھی مسلمان رکھنا۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

(2:128)

''اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا ہی فرمانبردار بنا رہنے دے اور ہماری اولاد میں سے اپنی ہی ذات کی مسلمہ (فرمانبردار) اُمّت اُٹھا اور ہمیں ہمارے حج کی جگہیں دکھا دے اور ہماری طرف (مہربانی کی) توجہ فرما۔ کیونکہ تو بڑا ہی توجہ فرمانے والا نہایت ہی مہربان ہے۔''

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ تم دین سے وابستہ رہنا کیونکہ تم مسلمان ہو۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ط يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ O اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِىْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ و اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ O (2:132-133)

"اور ابراہیمؑ اور یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو اس کی وصیّت کی کہ اے میرے بیٹو ! یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو تمہارے لئے مصطفیٰ کیا ہے، پس تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان ہی ہوکر۔ کیا تم اس وقت موجود تھے جبکہ یعقوبؑ پر موت آئی۔ جبکہ اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادوں ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کے معبود خدائے واحد کی عبادت کریں گے۔ اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کو واحد و لا شریک مانتے ہوئے اس کی عبادت کرنا مسلمان کی بنیادی صفت بتائی گئی ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی قوم کیلئے مسلمان کی اصطلاح :

حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اسی پر بھروسہ

کرنے کی تعلیم دیتے ہیں اور اُسے مسلمان ہونے کی لازمی شرط بتاتے ہیں۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ O فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ O وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ O (10:84-87)

"اور موسیٰؑ نے کہا اے میری قوم ! اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو، پس اگر تم فرمانبردار ہو تو اُسی پر بھروسہ رکھو۔ پس انہوں نے کہا ہم نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا ہے۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں ظالموں کی قوم کے لئے آزمائش نہ قرار دے۔ اور ہمیں اپنی رحمت کے ساتھ کافروں کی قوم سے نجات دے۔"

حضرت عیسیٰؑ کے حواری مسلمان تھے :

حضرت عیسیٰؑ نبوت کے مشن میں اپنے اصحاب سے معاونت طلب کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے حواری خود کو مسلمان بتاتے ہوئے اللہ کے پیغام کی تبلیغ و اشاعت کے کام میں مددگار کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

فَلَمَّا اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِىْ اِلَى اللّٰهِ ط قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ O (3:52)

"پھر جب عیسیٰؑ نے ان میں کفر کا احساس کیا (تو) کہا کون ہیں جو اللہ کے کام میں میری مدد کرنے والے ہوں۔ حواریوں نے

کہا کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار۔ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ اور گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔"

اوپر پیش کی گئی مثالوں کو مدِ نظر رکھیں تو کلیدی سوال یہ سامنے آتا ہے کہ کیا ان تمام انبیاء کے لائے ہوئے ادیان اپنے اصول و فروعات (بنیادی عقائد و نظریات) اور شریعت کے لحاظ سے ایک ہی صورت (form) رکھتے تھے؟

اس بات پر علماء کا عمومی اتفاق موجود ہے کہ ان انبیاء کی شریعت اور ان کی اُمّت پر عائد فرائض و عبادات اور مناسک و رسومات ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث کئے جانے کی منطقی وجہ بھی یہی نظر آتی ہے وگر نہ تو کسی ایک جلیل القدر نبی کو بھیج کر دینی احکامات قیامت تک کیلئے پہنچا دیئے جاتے۔

اللہ پر ایمان، رسولوں پر ایمان اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کئے گئے پیغام پر ایمان لانے والوں کیلئے مسلمون کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ ادیانِ عالم میں فروعات یکساں نہ ہونے کے باوجود خدائے رب العالمین مختلف انبیائے کرام اور ان کی اُمّت کو مسلمون کہہ کر مخاطب کرتا ہے تو پھر ایک ہی دین کے پیروکار محمد مصطفیٰ صلعم کے اُمتی جو توحیدِ خداوندی کا اقرار کرتے ہیں اور حضرت محمدؐ کے خاتم النّبیّین ہونے کی شہادت دیتے ہیں اُنہیں کسی مسئلے سے متعلق مختلف تشریح رکھنے کی بناء پر اسلام کے دائرے سے خارج قرار دینے کا کیا جواز بنتا ہے؟

کلامِ الٰہی سچائی کی طرف ایک سے زیادہ راستوں کی موجودگی کا یوں اقرار کرتا ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجاً ط وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ
اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ط

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعاً فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ
تَخْتَلِفُوْنَ O (5:48)

"تم میں سے ہر ایک کیلئے ہم نے شریعت اور راستہ مقرر کر دیا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں ایک ہی اُمّت بنا دیتا۔ لیکن (مختلف شریعتیں دینے سے) خدا کا مقصد یہ تھا کہ اُس نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اُس میں تمہارا حال ظاہر کر دے پس تم نیکیوں کی طرف سبقت کرو۔ تم سب کی بازگشت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، پھر وہ تم کو بتا دے گا جس جس بات میں تم آپس میں اختلاف کیا کرتے تھے۔"

اس صورتِ حال میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے دینی زعماء زیادہ وسیع القلبی کا مظاہرہ کریں۔

قرآنی تعلیمات کی مختلف تشریحات :

قرآنی تعلیمات و احکامات کی مختلف ممکنہ تشریحات کی وسعت اور گونا گونی کو حضرت امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں یوں اُجاگر کیا ہے:

"Fortunately the Koran has itself made this task easy, for it contains a number of verses which declare that Allah speaks to man in allegory and parable. Thus the Koran leaves the door open for all kinds of possibilities of interpretation so that no one interpreter can accuse another of being non-Muslim. A felicitous effect of this fundamental principle of Islam that the Koran is constantly open to allegorical interpretation has been that our Holy Book has been able to guide and illuminate the thought of

believers, century after century, in accordance with the conditions and limitations of intellectual apperception imposed by external influences in the world. It leads also to a greater charity among Muslims, for since there can be no cut-and-dried interpretations, all schools of thought can unite in the prayer that the Almighty in His infinite mercy may forgive any mistaken interpretation of the Faith whose cause is ignorance or misunderstanding."
(Islam the Religion of My Ancestors, page 7-8)

ترجمہ : ”خوش قسمتی سے قرآن نے خود اس کام کو آسان کر دیا ہے کیونکہ اس میں کتنی ہی ایسی آیتیں ہیں جو بتاتی ہیں کہ خدا انسانوں سے تشبیہی اور تمثیلی انداز میں خطاب کرتا ہے۔ اس طرح قرآن نے ہر قسم کی تفسیر و تاویل کے امکانات کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا ہے اور کوئی مفسّر اور تاویل کرنے والا کسی دوسرے کو غیر مسلم ہونے کا الزام نہیں دے سکتا۔ اسلام کے ایک بنیادی اصول کا کہ قرآن تشبیہی تاویل و تفسیر کے لئے ہمیشہ کھلا ہوا ہے ایک خوشگوار نتیجہ یہ ہے کہ ہماری مقدس کتاب خارجی اثرات کے تحت عائد ہونے والے ذہنی احوال و حدود کے مطابق ہر صدی میں اپنے ماننے والوں کی رہنمائی کرنے اور ان کے خیالات کو روشن کرنے کے قابل رہی ہے۔ یہ بات مسلمانوں میں بڑی وسیع القلبی پیدا کرتی ہے۔ کیونکہ کسی سخت اور خشک قسم کی تاویل نہ ہو سکنے کی وجہ سے مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فکر اس دُعا میں شریک ہو سکتے ہیں کہ وہ قادرِ مطلق اپنی بیکراں رحمت سے عقیدے کی اس غلط تاویل کو معاف فرمائے جو ناواقفیت اور غلط فہمی کی وجہ سے ہو گئی ہو۔“ (اسلام میرے مورثوں کا

مذہب۔ صفحہ 9,10)
مولانا حاضر امام شاہ کریم الحسینی صلوات اللہ علیہ نے فرمایا:

"This programme is also an opportunity for achieving insights into how the discourse of the Qur'an-e-Sharif, rich in parable and allegory, metaphor and symbol, has been an inexhaustible well-spring of inspiration, lending itself to a wide spectrum of interpretations. This freedom of interpretation is a generosity which the Qur'an confers upon all believers, uniting them in the conviction that All-Merciful Allah will forgive them if they err in their sincere attempts to understand His word. Happily, as a result, the Holy Book continues to guide and illuminate the thought and conduct of Muslims belonging to different communities of interpretation and spiritual affiliation, from century to century, in diverse cultural environments. The Noble Qur'an extends its principle of pluralism also to adherents of other faiths. It affirms that each has a direction and path to which they turn so that all should strive for good works, in the belief that, wheresoever they may be, Allah will bring them together."
(London, 19-10-2003)

ترجمہ : یہ پروگرام اُس بصیرت کے حصول کا بھی ایک موقع ہے کہ کیسے قرآنِ شریف کے علمی کلام میں تمثیل، اشارہ، استعارہ اور تشبیہ کی فراوانی ہے۔ یہ وسیع پیمانے پر نئی تشریحات کیلئے راہ فراہم کرتے ہیں۔ تشریح کی یہ آزادی قرآنِ حکیم کی اپنے تمام ماننے والوں کیلئے فیاضانہ تحفے کی مانند ہے اور (قرآن) ان سب کو اس عقیدے پر مجتمع کرتا ہے، کہ وہ اللہ عزّ وجل، اپنی رحمت کے طفیل انہیں اُن کی غلطیوں پر جو انھوں نے کلامِ الٰہی کو سمجھنے کی پُر خلوص کوششوں کے

دوران کیس ہیں، بخشنے والا ہے۔ چنانچہ قرآنِ مقدس بخوشی صدی بصدی گوناگوں ماحول میں دینِ اسلام کی مختلف تشریحات کرنے والی برادریوں اور مختلف روحانی وابستگی رکھنے والوں کو ہدایت سے نوازتا ہے اور اُن کے خیالات اور اعمال کو روشن کرتا ہے۔ قرآنِ حکیم اپنے اصولِ تکثیریت (principles of pluralism) کا دامن دیگر مذاہب کے معتقدین کے لئے بھی پھیلاتا ہے۔ وہ اعتراف کرتا ہے کہ ہر ایک کیلئے ایک سمت اور ایک راہ ہے۔ اس لئے تمام لوگوں کو اس یقین سے اعمالِ صالح کرنے کی کوشش کرنی چاہیے وہ خواہ کہیں بھی ہوں، اللہ اُن سب کو اکٹھا کرنے والا ہے۔

آپؑ نے مزید فرمایا :

The Muslim world today is heir to a faith and a culture that stands among the leading civilisations in the world. The revelation granted to the Holy Prophet Muhammad (peace be upon him) opened new horizons and released new energies of mind and spirit. It became the binding force that held the Muslims together despite the far-flung lands in which they lived, the diverse languages and dialects they spoke, and the multitude of traditions - scientific, artistic, religious and cultural - which went into the making of a distinctive ethos. This message is still potent in the Muslim world today, although it is sometimes clouded, distorted and deformed by political interests and by struggles for power over the minds and hearts of people. There are attempts at transforming what are meant to be fluid, progressive, open-ended, intellectually informed, and spiritually inspired traditions of thought, into hardened, monolithic, absolutist and obscurantist positions. Yet there are many across the length and breadth of the Muslim

world today who care for their history and heritage, who are keenly sensitive to the radically altered conditions of the modern world. They are convinced that the idea that there is some inherent, permanent division between their heritage and the world of today is a profoundly mistaken idea; and that the choice it suggests between an Islamic identity on the one hand and on the other hand, full participation in the global order of today is a false choice indeed. They seek for ways in which their societies may benefit from the intellectual and material fruits of modernity, while remaining true to their distinctive moral, spiritual and cultural heritage.

Today, any reasonably well-informed observer would be struck by how deeply this brotherhood of Muslims is divided. On the opposite sides of the fissures are the ultra-rich and the ultra-poor; the Shi'a and the Sunni; the theocracies and the secular states, the search for normatisation versus the appreciation of pluralism; those who search for and are keen to adopt modern, participatory, forms of government versus those who wish to re-impose supposedly ancient forms of governance. What should have been brotherhood has become rivalry, generosity has been replaced by greed and ambition, the right to think is held to be the enemy of real faith, and anything we might hope to do to expand the frontiers of human knowledge through research is doomed to failure for in most of the Muslim world, there are neither the structures nor the resources to develop meaningful intellectual leadership. (London 19-10-03)

ترجمہ : آج مسلم دنیا ایک ایسے عقیدے اور ثقافت کی وارث ہے جو دنیا کی صفِ اوّل کی تہذیبوں میں سے ایک ہے۔ فیضانِ وحی نے جو رسولؐ کو عطا ہوا نئے اُفق واء کئے اور ذہن اور روح کی نئی توانائیوں

کو خارج (release) کیا۔ یہ ایک ایسی جوڑنے والی قوت (binding force) بن گئی جس نے دور دراز علاقوں میں رہنے، متنوع زبانیں اور بولیاں بولنے اور سائنسی، فنی، ثقافتی اور مذہبی روایتوں کی کثرت کے باوجود مسلمانوں کو یکجا رکھا اور جس نے مخصوص اندازِ فکر کی تشکیل کی۔ موجودہ مسلم دنیا میں یہ پیغام اب تک توانا ہے، اگرچہ بعض اوقات سیاسی مفادات اور لوگوں کے دل و دماغ پر اقتدار حاصل کرنے کی جدوجہد کی وجہ سے اُسے دھندلا، مسخ اور بدشکل بنا دیا جاتا ہے۔ اس بات کی کوششیں کی جارہی ہیں کہ فکر کی وہ روایتیں جو غیر جامد (fluid)، ترقی پسند (progressive)، غیر محدود (open-ended)، عقلی لحاظ سے باخبر (Intellectualy informed) اور روحانی فیضان کی حامل (spiritualy inspired) ہیں،اُن کو سخت گیر (hardened)، یک رُخی (monolithic)، مطلقانہ (absolutist) اور علم دشمن (obscurantist) اندازِ فکر میں تبدیل کردیا جائے۔ اسکے باوجود موجودہ مسلم دنیا کے طول و عرض میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اپنی تاریخ اور ورثے کا خیال رکھتے ہیں اور جو جدید دنیا کے تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کے بارے میں نہایت حسّاس ہیں۔ وہ پُر یقین ہیں کہ یہ تصور ایک انتہائی غلط تصور ہے کہ ان کے ورثے اور جدید دنیا کے درمیان کوئی فطری اور مستقل تقسیم موجود ہے اور یہ کہ ایک جانب اسلامی تشخص اور دوسری جانب موجودہ عالمی نظام میں بھرپور شرکت کے درمیان کسی ایک کو منتخب کرنے کی جو تجویز یہ تصور دیتا ہے، یقیناً ایک غلط انتخاب ہے۔ وہ لوگ ایسے حل چاہتے ہیں جس سے ان

کے معاشرے جدیدیت کے عقلی اور مادی ثمرات سے اپنے امتیازی اخلاقی روحانی اور ثقافتی ورثے سے مخلص رہتے ہوئے استفادہ کرسکیں۔

آج کوئی بھی معقول حد تک باخبر مشاہدہ کرنے والا فرد اس بات پر حیران ہوگا کہ مسلم بھائی چارہ کس گہری طرح سے منقسم ہے۔ بہت زیادہ امیر (ultra rich) اور بہت زیادہ غریب (ultra poor)، شیعہ اور سُنی، مذہبی ریاست اور سیکولر ریاست، مخصوص معیاری طرزِ عمل (normatisation) کی تلاش بمقابلہ تکثیریت (pluralism) کی ستائش، وہ لوگ جو جدید، شراکتی (participatory) طرزِ حکومت کو اپنانے کی جستجو کرتے ہیں اور دلچسپی رکھتے ہیں بمقابلہ وہ لوگ جو بالفرض قدیم طرزِ حکومت کو دوبارہ نافذ کرنے کی خواہش رکھتے ہیں، تقسیم کی مخالف اطراف میں موجود ہیں۔ جسے بھائی چارہ ہونا چاہیے تھا وہ رقابت بن چکا ہے۔ حرص و طمع نے سخاوت کی جگہ لے لی ہے، غور و فکر کرنے کے حق کو اصل دین کا دشمن قرار دیا جارہا ہے۔ انسانی علم کی سرحدیں وسیع کرنے کیلئے ہم تحقیق کے ذریعے جو کچھ کرنے کی اُمید رکھتے ہیں وہ ناکامی پر منتج ہوتی ہے کیونکہ مسلم دُنیا کے اکثر حصوں میں بامقصد دانشورانہ قیادت کی نشوونما کیلئے نہ کوئی ڈھانچہ ہے اور نہ ہی وسائل۔

کون حق پر ہے؟

بعض لوگوں نے اپنا وطیرہ بنا لیا ہے کہ لوگوں کے ایمان کو ٹٹولتے رہتے ہیں اور بزعم خود منصف بن کر یہ فیصلہ سنا دیتے ہیں کہ کون حق پر ہے اور کون

باطل پر۔ ان کے نزدیک صرف وہ لوگ حقیقی مسلمان ہیں جو ان کی تشریح (interpretation) سے اتفاق کرتے ہیں۔ یہ روش کیا اسلامی تعلیمات کی روح کے مطابق ہے؟

یہودیوں اور نصرانیوں کے درمیان یہ بحث و مباحثہ (theological debates) گرم رہا کہ کون سچائی پر ہے اور دونوں گروہ ایک دوسرے کو باطل پر قرار دیتے رہے۔ قرآنِ پاک اس مسئلے پر یوں تبصرہ کرتا ہے :

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَیْءٍ ص وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَیْءٍ لا وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ج فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ O (2:113)

"اور یہودیوں نے کہا کہ نصرانی (دین کی) کسی شے پر (قائم) نہیں، اور نصاریٰ نے کہا کہ یہودی (دین کی) کسی شے پر (قائم) نہیں ہیں۔ حالانکہ وہ سب کتاب پڑھتے ہیں۔ ان جیسی ہی باتیں ان لوگوں نے بھی کہی تھیں جو علم رکھتے ہی نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جن جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے رہے تھے، ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔"

اہلِ کتاب کے مابین بھی منفی انداز میں بحث و مباحثہ کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اختلافی امور کا فیصلہ قیامت کے دن وہ خود کرے گا۔

مسلمانوں کو اہلِ کتاب کے ساتھ معاملات میں حد سے تجاوز نہ کرنے کا درس دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے :

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ ق اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِىْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ O (29:46)

"اور تم اہلِ کتاب سے مجادلہ نہ کرو، مگر اس طریقہ سے جو سب سے اچھا ہو۔ سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے ظلم کیا، اور کہہ دو کہ ہم اس پر بھی ایمان لا چکے جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور (اُس پر بھی) جو تمہاری طرف نازل کیا گیا۔ اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔"

مذہب بحث و مباحثہ و مناظرہ کی چیز نہیں:

دوسری بات اس سلسلے میں یہ ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ مذہب بحث و مباحثہ یا مناظرہ کی چیز نہیں جس میں ہر مسلک والے اپنے آپ کو حق پر اور دوسروں کو غلط راہ پر ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ مذہب کی طرف دعوت کا طریقہ کار قرآنِ حکیم میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ ط اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ O (16:125)

"تُو اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلا اور اُن سے ایسے طریق سے بحث کر جو سب سے اچھا ہو۔ یقیناً تیرا پروردگار اس کو خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بہکا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بہت ہی زیادہ جانتا ہے۔"

اس آیت میں مذہب سے متعلق گفتگو کرنے کا بہترین طریقہ حکمت بتایا گیا اور اس کے بعد اچھی نصیحتوں سے کام لینے کو کہا گیا اور آخر میں بحث کی اجازت دی گئی مگر وہ بھی احسن طریقے سے۔ ظاہر ہے کہ احسن طریقے میں کسی کے عقیدے کو غلط یا ناقص کہہ کر دل آزاری کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اور اگر بات ہدایت اور ضلالت کی ہے تو اس کا فیصلہ دینے کا اختیار اللہ نے اپنے پاس رکھا ہے کیونکہ وہی بہتر جانتا ہے کہ کون ہدایت پر ہے اور کون گمراہی پر۔ اس لئے یہ معاملہ اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔

یہ رہنما اُصول ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ ایک اللہ ایک رسول اور ایک ہی کتاب کے ماننے والوں کو تحمل و برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے متنوع تشریحات کو اسلام کے آفاقی پیغام کی وسعت اور خوبصورتی سمجھنا چاہیے۔

اسلامی تعلیمات اس سلسلے میں واضح ہے۔ قرآنِ پاک نجات کو کسی ایک قوم، مذہب اور فرقے کیلئے مخصوص نہیں کرتا بلکہ نیک اعمال اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کو معیار بناتے ہوئے نیکوکاروں کو نجات کی بشارت دیتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحاً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ O (2:62)

"بیشک جو لوگ ایمان لائے اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابی جو بھی اللہ تعالیٰ اور آخری دن پر ایمان لے آئے اور نیک عمل کئے، تو اُن کیلئے اُن کا اجر اُن کے پروردگار کے پاس ہے۔ اور نہ اُن پر خوف (طاری) ہوگا، اور نہ وہ رنج کریں گے۔"

نیک عمل کرنے والوں اور ایمان رکھنے والے مرد و عورت کو بلاامتیاز اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین اجر کی بشارت ان الفاظ میں دی گئی:

مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ O (16:97)

"مردوں میں سے ہو یا عورتوں میں سے جو کوئی بھی نیک عمل کرے گا اور وہ مومن ہو تو ضرور ہم اُسے (دُنیا میں بھی) پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور اُن کے اعمال کا بدلہ جو وہ کیا کرتے تھے، بہت بہتر دیں گے۔"

نیکوکاروں اور صالحین کی تعریف یوں کی گئی ہے:

لَيْسُوا سَوَآءً ۭ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ أُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَتْلُونَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ O يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَأُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِينَ O (3:113,114)

"یہ سب ایک جیسے نہیں ہیں۔ اہل کتاب میں سے ایک گروہ ثابت قدم ہے۔ وہ رات کے وقت میں اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں اور وہ سجدے کیا کرتے ہیں۔ وہ ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر اور اچھے کاموں کے کرنے کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے منع کرتے ہیں اور نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں۔ اور یہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں۔"

اِن قرآنی احکامات سے اسلامی تصورِ نجات کو بہتر انداز میں سمجھا جا سکتا

ہے۔ اسلام کسی خاص عقیدے (faith) سے رسمی وابستگی (formal affiliation) کو ہی نجات کی لازمی شرط قرار نہیں دیتا بلکہ معاشرے کے عملی تقاضوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اچھے اخلاقی برتاؤ (good moral conduct) کی اہمیت کو اُجاگر کرتا ہے۔ اسلام کا مطمعِ نظر تمام انسانوں کو ایک ہی اُمّت میں بدل دینا ہرگز نہیں بلکہ لوگوں کو ایسی عظیم تر انسانی برادری کی طرف راغب کرنا ہے جہاں احترامِ آدمیت باقی رہے، رنگ و نسل، فکری و نظریاتی تنوع کی بنیاد پر متصادم ہونے کے بجائے تقویٰ و پرہیزگاری کو برتری اور فضیلت کا معیار جانا جائے اور ہر شخص نیکی کی طرف اس یقین سے کوشاں ہو کہ خدائے رحمٰن و رحیم کسی کی بھی اچھائی کو ضائع نہیں کرتا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۔ (9:120) یعنی ''یقیناً اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کیلئے بلا امتیاز رنگ و نسل و مذہب کے فضیلت کا معیار تقویٰ کو قرار دیا ہے خواہ انسان کا تعلق کسی رسمی و منظم دین سے ہو یا نہ ہو جیسا کہ ارشاد ہے :

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ وَّ اُنۡثٰى وَ جَعَلۡنٰكُمۡ شُعُوۡبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا ؕ اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰىكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ O (49:13)

''اے لوگو ! یقیناً ہم نے تمھیں نر (مرد) اور مادہ (عورت) سے پیدا کیا اور ہم نے تمھیں خاندان اور قبیلے بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ مکرم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا پوری خبر رکھنے والا ہے۔''

کفر کا فتویٰ :

جناب رئیس احمد جعفری اپنی کتاب ''اسلام اور رواداری'' میں لکھتے ہیں کہ:

'' کفر کا فتوٰی ہمارے علماء کی ایک جماعتِ کثیرہ کا مشغلہ بن چکا ہے۔ جسے اپنے سمجھے ہوئے اسلام کے راستہ سے ذرا ہٹا ہوا پایا اُسے کافر قرار دے دیا۔ بعض فتاوائے کفر تو جدّت اور ندرت سے اتنے پُر ہیں کہ سُودِ مرکب کی طرح اُن کا سلسلہ بھی نہ جانے کہاں سے شروع ہوتا ہے اور نہ جانے کہاں ختم۔ جسے کافر قرار دے دیا گیا ہے اُسے اگر کوئی کافر نہ مانے تو وہ بھی کافر، اس سے ملنے والا کافر، اس کی بیوی مطلقہ، اس کی اولاد محروم الارث وغیرہ ذٰلک من الخرافات۔ لیکن یہ اسلام کی بالکل غلط اور بے رحمانہ ترجمانی ہے۔ جو اسلام کافروں، مشرکوں اور منافقوں تک کے ساتھ ملاطفت اور نرمی، حسنِ سلوک اور شفقت کا برتاؤ کرتا ہے، کیونکر ممکن ہے کہ اُن لوگوں کے حق میں مجسم قہر و جلال اور شمشیرِ بُرّاں بن جائے جو اپنے اسلام لئے اپنی اسلامیت کے معترف اور مقرّ (اقرار کرنے والے) ہیں۔ چنانچہ قرآنِ کریم صاف کہتا ہے کہ :

وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ اَلۡقٰۤى اِلَیۡكُمُ السَّلٰمَ لَسۡتَ مُؤۡمِنًا ۚ (4:94)

''جو کوئی تم کو سلام کرے اُس سے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے۔''

اس آیت سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کا یہ اصول

ہے کہ فیصلہ ظاہر پر ہوگا باطن پر نہیں۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنے تئیں مسلمان کہتا ہے تو ہمیں حق نہیں ہے کہ اُسے کافر کہہ سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ محتاط علماء اور فقہاء کا اصول یہ ہے کہ اگر ۹۹ وجوہِ کفر ہوں اور ایک وجہ اسلام کی مؤید ہو تو ۹۹ وجوہِ کفر کو نظر انداز کردیا جائے گا اور اس کا اسلام مان لیا جائے گا۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ الفاظ تسلیم کرلیئے جائیں گے، دل نہیں ٹٹولا جائے گا۔ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے علامہ بصاص فرماتے ہیں:

"اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ جو شخص چوری چھپے کافر ہے میں اس کی توبہ قبول نہیں کرتا تو معلوم ہونا چاہئے کہ ہم حقیقتِ اعتقاد کے اعتبار سے کسی کا مواخذہ نہیں کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ظن سے کام لیکر حکم لگانے سے ہمیں منع کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے : (اِجۡتَنِبُوۡا کَثِیۡرًا مِّنَ الظَّنِّ ز اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ) (49:12) "بدگمانی سے بچو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے" رسول اللہ فرماتے ہیں (اِیَّاکُمۡ وَ الظَّنَّ فَاِنَّہٗ اَکۡذَبُ الحَدِیۡث، بخاری)" بدگمانی سے بچو کیونکہ اس سے بڑھ کر جھوٹ کوئی نہیں۔" اللہ تعالےٰ فرماتا ہے (وَلَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ط (17:36) "جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑو" ایک اور موقع پر فرمایا: (اِذَا جَآءَکُمُ الۡمُؤۡمِنٰتُ مُہٰجِرٰتٍ فَامۡتَحِنُوۡہُنَّ ط اَللّٰہُ اَعۡلَمُ بِاِیۡمَانِہِنَّ ط (60:10) "جب تمہارے پاس مہاجر عورتیں آئیں تو اُن کے احوال کی پڑتال کرو (ایمان کی نہیں کیونکہ) اللہ اُن کے ایمان کو خوب جانتا ہے۔" اس سے معلوم ہوا کہ اُن کے ضمائر اور اعتقاد کی حقیقت یعنی کُنہ مت جانچو۔ مقصود صرف یہ ہے کہ اُن کے ظاہرِ ایمان کو مان لو (یعنی ایمان بالقول)۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ احکامِ دنیا میں ضمیر کا اعتبار نہیں کیا جاتا صرف قول (اعتراف) کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے (وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ اَلۡقٰۤی اِلَیۡکُمُ السَّلٰمَ

لَسۡتَ مُؤۡمِنًا ج (4:94) "جو تمہیں سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے" اور یہ ہدایت تمام کفار کے بارے میں عام ہے۔ چنانچہ نبی نے اسامہ بن زید سے جبکہ انہوں نے ایک ایسے شخص کو قتل کردیا تھا جو زبان سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہہ رہا تھا پناہ مانگتے ہوئے پوچھا "کیا تونے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا۔"

(بحوالہ احکام القرآن، جلد دوم، صفحہ 351۔ نیز صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب 40)

مندرجہ بالا بیان سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ دینِ اسلام کسی کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کتنا واضح حکم دیتا ہے کہ اگر ایک شخص زبان سے مسلمان ہونے کا اقرار کرتا ہے تو یہ اُسے مسلمان تسلیم کرنے کے لئے کافی ہے کیونکہ کسی کے دل کا حال تو صرف اللہ کو معلوم ہے اور کسی بھی مومن کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ کسی دوسرے مومن کے ایمان کے متعلق کوئی فیصلہ دے کیونکہ ایمان کا حال جاننے والی تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ O (3:119) یعنی "دلوں کا بھید جاننے والا ہے۔"

اس ضمن میں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ "مُسلم" (مسلمان) کی تعریف کے متعلق کچھ بیان کیا جائے تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ کسی کو مُسلم بننے کے لئے کم از کم کیا کرنا ضروری ہے۔

شریعت اسلامی میں مسلم کے معنی ہیں دینِ اسلام قبول کرنے والا اور اس کے احکام پر عمل کرنے والا۔ اسلام کے اصطلاحی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے خشوع وخضوع اور صرف اُسی کی عبادت کرنا؛ حضرت محمدؐ کے لائے ہوئے دین پر عمل پیرا ہونا۔" (دائرہ معارف اسلام، جلد 21، ذیل مقالہ مسلم")

"... جو شخص محض جان بچانے کے لئے یاکسی اور دنیوی مصلحت کی

خاطر خود کو مسلمان ظاہر کردے اور حقیقت میں اس پر ایمان نہ لائے اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو ایک مسلم کا ہے یعنی اس پر اسلام کے ظاہری احکام اور حقوق جاری ہوجائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شرع کا حکم تو ظاہر پر ہے۔ رہا دل کا معاملہ تو وہ صرف اللہ علاّم الغیوب ہی کو معلوم ہے۔"

(ایضاً بحوالہ تفسیر روح المعانی، 133 :26 بعد، تفسیر المراغی 126 :26)

"علامہ عمر بن محمد الشّامی لکھتے ہیں کہ اگر کسی مسلم سے کوئی ایسا قول یا فعل سرزد ہو جس میں کفر کی کئی وجوہ نظر آتی ہوں مگر ایک ایسی وجہ بھی نظر آجائے جو مانع کفر ہے تو ایک مسلم کے بارے میں حسنِ ظن کے تقاضے کے پیشِ نظر مفتیِ اسلام کو اس وجہ کی طرف مائل ہونا چاہئے جو مانع کفر ہے۔" (ایضاً)

مسند احمد بن حنبل میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلعم ایک دفعہ مسجد نبویؐ میں تشریف فرما تھے۔ اتنے میں حضرت جبرئیل آئے اور آپؐ کے سامنے بیٹھ گئے۔ پھر عرض کیا: یارسول اللّٰہ حدثنی ما الاسلام؟ (یارسول اللہ! مجھے بتایئے کہ اسلام کیا ہے؟) آپ نے فرمایا:

اَلْاِسْلَامُ اَنْ تُسْلِمَ وَجْھَکَ لِلّٰہِ وَ تشھد ان لا الہ الاّ اللّٰہُ
وحدہ لاشریک لہٗ وان محمدًاعبدہ و رسولہ

(اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کے حضور سرِتسلیم خم کردے اور اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ واحد و تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ حضرت محمد اللہ کے رسولؐ اور بندے ہیں)۔

اس نے عرض کیا: **فاذا فعلت ذلک فانا مسلم** (جب میں نے یہ اقرار کرلیا تو میں مسلم بن جاوں گا؟) **قال اذا فعلت فقد اسلمت** (فرمایا کہ

جب تو نے یہ اقرار کرلیا تو تُو دائرۂ اسلام میں داخل ہوگیا)۔ (مسند احمد بن حنبل، جلد ۱، صفحہ 319، عربی)

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص مندرجہ بالا طریقے سے توحید و رسالت کا اقرار کرتا ہے تو فرمانِ رسولؐ اُسے مسلم قرار دیتا ہے اور حضورؐ کے اُس فیصلے کے بعد کوئی بھی اس کلمہ گو کو غیر مسلم قرار نہیں دے سکتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام اپنے پیرووں کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کی دعوت دیتا ہے نہ کہ منتشر کرنے کی۔ اس لئے اپنے دینی بھائیوں کے متعلق حسنِ ظن کو ہمیشہ غالب رکھنا چاہئے۔ کیونکہ دائرہ اسلام سے خارج کرنے کی کوشش کے مقابلے میں احسن یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دائرہ اسلام میں رہنے اور رکھنے کی کوشش زیادہ کی جائے۔ جیسا کہ ابوالحسن الاشعری نے اپنی کتاب مقالات الاسلامیین میں لکھا ہے۔

"لوگوں نے آنحضرت کے بعد بہت سی باتوں میں اختلاف کیا۔ بعض نے بعض کو گمراہ ٹھرایا اور بعض نے بعض کو بَری گردانا۔ پس اس طرح وہ باہم مختلف گروہ اور جدا جدا جماعتیں بن گئے۔ مگر یہ کہ اسلام ان سب کو جمع کرتا ہے اور اُن سب کو اپنے دائرے میں شامل کرتا ہے۔"

(صفحہ 2، طبع رٹر، استانبول 1929ء)

ائمہؒ نے فاسد عقیدوں کی کھلی مذمت کے باوجود کسی کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کے معاملے میں پوری احتیاط اور کامل غور و تدبّر کی تلقین کی ہے۔ جیسا کہ خود قرآنِ حکیم کی مندرجہ ذیل آیت میں لفظ فَتَبَیَّنُوْا سے ظاہر ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (4:49)

"اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو تو تحقیق کرلیا کرو اور جو تمہاری طرف سلام پیش کرے اُسے مت کہو کہ تو مومن نہیں ہے۔"

چنانچہ مندرجہ ذیل چند احادیث قابلِ غور ہیں:

مَنْ مَّاتَ وَ هُوَ يَعْلَمُ اَنَّهُ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ.

"جو شخص اس چیز کا یقین رکھتے ہوئے مرا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔"

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب۹)

مَنْ شَهِدَ اَنْ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ.

"جو شخص لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه مُحَمَّد رسول اللّٰه کی گواہی دے گا اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ حرام کردیگا۔" (ایضاً)

"...جمہور اہلسنت کا اس پر اتفاق ہے کہ اصولاً کفر کا تعلق اعتقاد سے ہے لہٰذا اگر کوئی شخص عمل میں کمزور ہو لیکن بنیادی طور پر اسلام کے اساسی عقائد پر ایمان رکھتا ہو تو اسے بے عمل، فاسق، فاجر وغیرہ تو کہا جاسکے گا، کافر نہ کہا جائے گا۔ کفر انکارِ عقیدہ سے لازم آتا ہے۔ کسی مسلمان کو اگرچہ وہ کبائر کا مرتکب ہو کافر نہیں قرار دیا جاسکتا... کفر صرف واضح اور زبانی انکار سے لازم آتا ہے۔" (دائرہ معارف اسلام، مقالہ مسلم)

مندرجہ بالا بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی بھی شخص کے لئے کفر کا فتویٰ دینے سے متعلق اسلام کس حد تک احتیاط کی تلقین کرتا ہے۔

تو برای وصل کردن آمدی　　نی برای فصل کردن آمدی

"تو مِلانے کیلئے آیا ہے جدا کرنے کیلئے نہیں آیا۔" (کلیاتِ مثنوی، صفحہ 155)

آخری کلمات:

گزشتہ چودہ صدیوں سے اسماعیلی اپنے طریقے پر زمانے کے امامؑ کی ہدایت کی روشنی میں عمل کررہے ہیں۔ اس طریقے کی بنیاد یہ ہے کہ وقت اور زمانے کے ساتھ ساتھ چلا جائے۔ ظاہر ہے کہ جو چیز زمانے کے ساتھ ساتھ چلے گی اس میں زمانے کے ساتھ تبدیلی آتی رہے گی کیونکہ زمانہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور اس تبدیلی کے ساتھ اس کے تقاضے بھی بدلتے رہتے ہیں۔ ایک نوزائیدہ بچے کی ضروریات ایک جوان یا بزرگ سے مختلف ہوتی ہیں۔ جو لباس ایک چھوٹے بچے کیلئے تیار کیا گیا ہو اُسے عمر بھر اس بچے کو پہنانے کی کوشش کیسے کی جاسکتی ہے؟ طفل شیرخوار کو عمر بھر شیرخوار رکھنے کا خیال ایک غیر فطری عمل ہوگا۔ پس جس طرح انسان بدلتا ہے اور اس کے اردگرد کی ہر چیز بدلتی ہے اسی طرح مذہب پر عمل کی ظاہری صورت بھی بدلتی ہے اور یہ تبدیلی امام زمانؑ کی ہدایت کے مطابق آتی ہے۔ حضرت امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

"وقتاً فوقتاً جس طرح زمانہ بدلتا رہتا ہے اس کے مطابق کچھ نہ کچھ نئی چیزیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ نئی نئی باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ مختلف اوقات میں مختلف مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ دنیا بھی بدلتی رہتی ہے۔ ہزار برس پہلے دنیا کیسی تھی؟ آج کیسی ہے؟ اور بھی کچھ برسوں کے بعد دنیا کیسی بدل جائے گی۔ دنیا میں وقتاً فوقتاً بڑی بڑی تبدیلیاں ہوتی ہی رہتی ہیں۔ اس وجہ سے ہر زمانے

میں زمانے کا امامؑ حاضر ہوتا ہے۔ بدلتے ہوئے وقت میں آپ کو کیا کرنا چاہئے اور کیسے چلنا چاہئے وہ اس کے متعلق فرمان کرتے ہیں۔ وقت کے مطابق آپ کو کیا کرنا لازم ہے وہ آپ کو فرماتے ہیں۔"

"اس وقت ہمارے فرامین کچھ ہیں اور کئی برس بعد ہمارے فرامین کچھ اور ہوں گے۔ ساری دنیا بدل جائے گی۔ ہر زمانے میں جو امامؑ حاضر ہو وہ جو فرمان کرے اس پر چلنا آپ کا فرض ہے۔ وقت بدلتا ہے اسی طرح فرمان بھی بدلتے ہیں۔"

(کچھ مندرا، 1903 - 11- 22)

وقت کے ساتھ چلنے کی بناء پر ہی آج اسماعیلی دوسرے لوگوں سے مختلف اور منفرد نظر آتے ہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔

اسماعیلی جماعت نے ہر دور میں اسلامی اخوت اور بھائی چارے کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے اور تمام اسلامی مکاتبِ فکر کا احترام کیا ہے۔ اس سلسلے میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے بارے میں مسلم اُمّہ کے نام حضرت امام سلطان محمد شاہؑ کا پیغام ہمارے لئے ہمیشہ سے مشعلِ راہ رہا ہے جو انہوں نے 1955ء میں قاہرہ میں دیا اور اسی پر ہم کتاب کا اختتام کرتے ہیں۔

"Though Ismailis have been always staunch and firm believers in the truth of their own faith in the Imamat Holy Succession, they have never, like some other sects, gone to the other extreme of condemning brother Muslims who have other interpretation of the Divine Message of our Holy Prophet (s.a.s).

"Ismailis have always believed and have been taught in each generation by their Imams that they hold the rightful

interpretation of the succession to the Holy Prophet, but that is no reason why other Muslims, who believe differently, should not be accepted as brothers in Islam and dear in person and prayed for and never publicly or privately condemned, leave alone abused.

"I hope that in these days when the Muslims have to hold together in view of all the dangers, external and internal, from all quarters, I hope and believe and pray that Ismailis may show their true Islamic charity in thought and prayer for the benefit and happiness of all Muslims, men, women and children of all sects."

(Hazrat Imam Sultan Muhammad Shah Aga Khan III, Massage to the world of Islam. Page 33)

اگرچہ اسماعیلی برادری ہمیشہ سے امامت یعنی جانشینِ رسول کے بارے میں اپنے عقیدے کی صداقت پر پختہ یقین رکھتے ہیں وہ بعض دوسرے فرقوں کی طرح اس انتہا پرستی کی طرف نہیں گئے کہ ان مسلمان بھائیوں کی مذمت کریں جو آنحضرت صلعم کے لائے ہوئے پیغام کی مختلف تشریح رکھتے ہیں۔

اسماعیلیوں کا ہمیشہ سے یہ عقیدہ رہا ہے کہ ان کی ہر نسل کو ان کے ائمۂ کرام نے یہ تعلیم دی ہے کہ اگرچہ وہ حضور صلعم کی جانشینی کے متعلق صحیح تشریح رکھتے ہیں لیکن اس بات کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ دیگر مسلمانوں کو جو اُن سے مختلف رائے رکھتے ہیں اسلامی بھائیوں کے طور پر تسلیم نہ کیا جائے، انہیں عزیز نہ رکھا جائے اور اپنی دُعاؤں میں شامل نہ کیا جائے چہ جائیکہ نجی یا عوامی محفلوں میں انہیں بُرا بھلا کہا جائے۔

ان دنوں میں (آج) جب مسلمانوں کو ہر طرف سے اندرونی و

بیرونی خطرات کا سامنا کرنے کیلئے متحد ہو جانا چاہیے ہم اُمید کرتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ اسماعیلی تمام مسلمانوں، مرد و خواتین، بچوں اور تمام فرقوں کے افراد کی خوشی اور بہتری کیلئے اپنے خیالات اور دُعاؤں میں صحیح معنوں میں اسلامی فیاضی کا مظاہرہ کریں گے۔

☆

کتابیات

1۔ محمد سبطین — مصحفِ ناطق، لُدھیانہ 1940

2۔ ڈاکٹر صبحی محمصانی — *فلسفہ شریعتِ اسلامی*، ترجمہ *فلسفہ التشریع فی الاسلام*، مترجم: مولوی محمد احمد رضوی، مجلسِ ترقی ادب، لاہور، 1955ء

3۔ سید محمد صالح کشفی — *کوکبِ دُرّی فی فضائلِ علیؑ*، امامیہ کتب خانہ، لاہور، 1963ء

4۔ مولانا جعفر شاہ پھلواری — *اسلام دینِ آسان*، ادارہ ثقافتِ اسلام، لاہور۔ 1955ء

5۔ ڈاکٹر فرہاد دفتری — *اسماعیلی تاریخ و عقائد* مترجم ڈاکٹر عزیزاللہ نجیب، اقبال برادرز، کراچی۔ 1997ء

6۔ محمد بن جریر الطبری — *جامع البیان عن التاویل القرآن* (عربی) قاہرہ، 1954ء

7۔ محمد بن جریر الطبری — *تاریخ الامم و الملوک*، مترجم، سید ابراہیم، نفیس اکیڈمی، کراچی، پاکستان۔

8۔ محمد بن جریر الطبری — *تاریخ الخلفا* جلد دوئم، نفیس اکیڈمی، کراچی، پاکستان۔

9۔ مولانا سید علی حیدر — *ائمہ اثناعشریہ*، مکتبہ کاظمیہ۔

10۔ حضرت علیؑ — *نہج البلاغہ*، (*خطباتِ حضرت علی*) مترجم، رئیس احمد جعفری، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔ 1981ء

11۔ قاضی نعمان — *دعائم الاسلام*، ادارہ ادبیاتِ فاطمی، بدری روڈ، سورت۔ 1954ء

12۔ علامہ حسین بخشی — *تفسیر انوار النجف*، مکتبۂ انوار النجف، میاں والی

13۔ دی شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اینڈ ریلیجس ایجوکیشن بورڈ برائے پاکستان۔
آیات الہدیٰ 2002ء

14۔ احمد بن حنبل — *مسند ابنِ حنبل*، جلد اول (عربی)، مکتبہ الاسلامی،
بیروت، 1978ء

15۔ "مسلم" — اے۔ جے۔ وینک
دائرہ معارف الاسلامیہ، جلد 21، صفحہ 49-25
دانش گاہِ پنجاب، لاہور، 1987ء

16۔ حافظ ابنِ کثیر — *البدایہ والنھایہ* (عربی) مکتبہ المعارف، بیروت۔ 1974ء

17۔ ناصر خسرو — *وجہ دین*، اردو ترجمہ: کراچی۔ 1999ء

18۔ سر سلطان محمد شاہ آغاخان — *خزینہ جواہر، (فرامین کا ترجمہ)*
دی شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اینڈ ریلیجس ایجوکیشن
بورڈ برائے پاکستان۔

19۔ محمد جمیل احمد — *انبیاءِ قرآن*، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔ 1954ء

20۔ داعی ابوالفوارس احمد بن یعقوب *الرسالہ فی الامامہ* (عربی نسخہ جو سمیع نصیب
مکارم کی کتاب کے ساتھ منسلک ہے)

21۔ کفایت حسین — *تفسیر المتقین*، شیعہ جنرل بک ایجنسی، لاہور، 1961ء

22۔ رئیس احمد جعفری ندوی، اسلام اور رواداری، ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ،
لاہور، 1955ء

23۔ سیّد اصغر ناظم زادہ قمی — ترجمہ: سیّد قمر عباس
تجلّیاتِ حکمت، انصاریان پبلکیشنز، قم 1996ء

24. Daftary, Farhad. The Ismailis: their history and doctrines Cambrige University Press, Cambrige, 1990.

25. Nasr, Syed Hussain. "Ithna-ashariya" in Encyclopedia of Religion, Macmillen Publishing Company, New York and London 1987.

26. Wilfred Madelung "Ismailia" in Encyclopedia of Religion, Macmillen Publishing Company, New York and London 1987.

27. John, Elden Williams "Kharijis" in Encyclopedia of Religion MacMillen Publishing Company, New York and London 1987.

28. L.Veccia, Vaglier "Ghadir - e - Khum" in Encyclopedia of Islam p. 993-94, Vol- 2, Leiden E.J Brill, Luzac & Company, 1965

29. Jafri, S.H.M, The Origin and Early Development of Shia Islam, Oxford University Press, 2000

30. Wilfred, Madelung. The Succession to Mohammed, Cambridge University Press, 1997.

31. Lalani Arzina. Early Shi'i Thoughts, The Teachings of Imam Muhammad Al Baqir, The Institute of Ismaili Studies, London, 2003.

32. Jairazbhoy, Qassim. Muhammed. Mercy to all Nations, Luzac & Company, London, 1937.

33. Aga Khan III, Islam, the Religion of My Ancestors, The Ismailia Association for Pakistan, Karachi, 1954.

34. Prince Karim Aga Khan, Islam- Yesterday, Today and Tomorrow (Speach) Ismailia Association for Pakistan, Karachi, 1977.

35. Aga Khan III, Message to the World of Islam Karachi, Pakistan, 1977.

36. W. Montgorny Watt, Mohammed at Madina, Oxford University Press, [1956], 1977.

37. Daftary, Farhad. "Diversity in Islam, Communities of interpretation" in Muslim Almanac, 1995.

38. Karim Aga Khan (Interview), "India Today", 1979.

39. Makarem, Sami Nasib, Doctrine of the Ismailis, Delmer, N.Y. 1977

By the same authors

1. **Ismaili Tariqah** (Urdu) (Understanding our Tariqah in the light of the Qur'an and the Prophetic tradition).
2. **Al Kawākib** (Urdu) (collection of 42 articles and speeches on various topics).
3. **Manāsik, Majālis aor Tasbihāt** (Urdu) (Explanation of our rites & ceremonies, history & significance of our Majālis and explanation of our Tasbihs).
4. **Āpṇi Dhārmik Kriyāo, Majliso ane Tasbiho** (Gujarati) (Explanation of our rites & ceremonies, history & significance of our Majālis and explanation of our Tasbihs).
5. **Hikmat-e-Du'ā** (Philosophy of Du'ā in Urdu, Persian and Gujrati)
6. **Philosophy of Du'ā** (English)
7. **Names for Newborns** (4500 suitable names for newborns)
8. **Ginān̄s with Urdu transliteration,** translation and glossary, (volume-1 to 10)
9. **Ginān̄s with English transliteration,** translation and glossary, (volume-1 to 7).
10. **Aṇat Akhāḍo and Aṇatna Nav Chhugā** with transliteration, translation and glossary. (Urdu and English)
11. **Saloko Moṭo and Saloko Nāno** with transliteration, translation and glossary (Urdu and English)
12. **Moman Chetāmṇi** with transliteration, translation and glossary (Urdu and English)
13. **Bāvan Bodh, So Kriyā and Sahi Samaraṇi** with transliteration, translation and glossary (Urdu and English)
14. **Brahm Prakāsh** with transliteration, translation and glossary (Urdu and English)
15. **Vāek Moṭo and Vel Vāekni** with transliteration, translation and glossary (Urdu and English)
16. **Moṭi Venti** (Adam Ad Nirinjan) of Pir Hasan Kabirdin with translation (Urdu and English)
17. **Concordance of the Ginān̄s,** volume-1 to 4 (Eng) (Directory of the ginanic terms)

40. Willi Frischaur, The Aga Khans, The Bodley Head, 1970

41. Aziz, K. K. Aga Khan lll, (Selected Speeches of Sir Sultan Muhammad Shah) Vol- 2, Kegan Paul International, London and New York, 1997

42. Daftary, Farhad. & Zulfiqar Hirji, The Ismailis The Institute of Ismaili Studies, London, 2008

43. Constitution of Shia Imami Ismaili Muslims.

44. Nanji, Azim "Ismailism" in Islamic Spirituality Foundations (ed. Syed Hussein Nasr) Routedge Kegan Paul Ltd., 1987

45. Aga Khan lll. The Memoirs of Aga Khan, Cassell and Company Ltd., London, 1954

☆

18. **Selected verses of Venti and Khushhali Gināns** for recitation in the Huzur Pur Nūr of Mawlana Hazar Imam (Urdu and English).

19. **Practices and Ceremonies** (Essays on Rites and Ceremonies) in English

20. **Majālis and Tasbīhāt** Historical background and significance of Majālis and explanation of Tasbīhāt. (English)

21. **Moman Chitvaraṇi** or **To Munivar Bhāi Nānī** (with Urdu translation and glossary)

مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ کے
دوران اسلام کے آفاقی پیغام کی ثقافتی،
معاشرتی، سیاسی ومذہبی حوالوں سے
مختلف تشریحات کی گئیں جن کی بنیاد
پر بہت سے مکاتبِ فکر وجود میں آئے
جو ایک طرف اسلام کی فکری وسعت و
زرخیزی کا اظہار ہیں تو دوسری طرف
مسلمانوں میں موجود خوبصورت گونا
گونی (diversity) کی عکاسی کرتے ہیں۔
اسماعیلی طریقہ ان میں سے ایک ہے۔زیر
نظر کتاب میں اسماعیلی طریقے کا
مختصر مگر جامع اور مستند تعارف
پیش کرنے کی کوشش کی
گئی ہے۔